ماہنامہ
جہد حق
پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
HRCP
Monthly JEHD-E-HAQ - January 2015 - Registered No. CPL-13
جلد نمبر 22...... شمارہ نمبر 01 ...... جنوری2015..... قیمت 5روپے

بچوں کی اموات: آفت محض آفاقی نہیں

10 دسمبر 2014، کوئٹہ: ایچ آر سی پی نے ''باہمت طالب علموں کو امن کا ایوارڈ'' دینے کی تقریب کا اہتمام کیا

30 نومبر 2014 لاہور:

ایچ آر سی پی نے علی انسٹی ٹیوٹ لاہور میں ''یوتھ فیسٹیول'' کا اہتمام کیا

26-27 دسمبر 2014، مٹھی: ایچ آر سی پی نے ''تھر کے عوام کی حالت زار'' سے متعلق مشاورت کا اہتمام کیا

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ءکواقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1	تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔
دفعہ -2	ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔
دفعہ - 3	ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 4	کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جاسکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔
دفعہ - 5	کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔
دفعہ - 6	ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔
دفعہ - 7	قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔
دفعہ - 8	ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، بااختیار قومی عدالتوں سے موئثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔
دفعہ - 9	کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 10	ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔
دفعہ - 11	(1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جاسکی ہوں۔ (2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔
دفعہ - 12	کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھربار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 13	(1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آجانے کا بھی حق ہے۔
دفعہ - 14	(1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ (2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جاسکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔
دفعہ - 15	(1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔ (2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔
دفعہ - 16	(1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔ (2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔ (3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔
دفعہ - 17	(1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 18	ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔
دفعہ - 19	ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔
دفعہ - 20	(1) ہر شخص کو پر امن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔
دفعہ - 21	(ا) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔ (3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔
دفعہ - 22	معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔
دفعہ - 23	(1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔ (3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب ومعقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جاسکے۔ (4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔
دفعہ - 24	ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔
دفعہ - 25	(1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح وبہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہءقدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔ (2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔
دفعہ - 26	(1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔ (2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔ (3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔
دفعہ - 27	(1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔ (2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں
دفعہ - 28	ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہوسکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔
دفعہ - 29	(1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔ (2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح وبہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔ (3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جاسکتیں۔
دفعہ - 30	اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جاسکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

Inside back title

فہرست

بمباری کا شکار ہونے والوں کے حقوق 9

14 برس کی عمر میں سزائے موت 10

آرمی پبلک سکول پر حملے میں بچوں سمیت

151 افراد جاں بحق 11

ایذارسانی کے خلاف بل کے مسودے پر عوامی بحث

کروائی جائے 12

بلوچستان کے لئے منصوبہ بندی 13

انسانی حقوق کے تحفظ پر زور 14

ڈسٹرکٹ کوآرڈی نیشن آفیسروں کی اکثریت

معلومات مہیا کرنے پر آمادہ نہیں 15

ایذارسانی کو جُرم قرار دیا جائے 17

گلگت کا معاملہ اور عدم برداشت 19

دہشت گردی کے خاتمے کے لئے فرحت اللہ بابر

کے چھ نکات 21

مجوزہ سیڈ ایکٹ کے خلاف کسان رہنماؤں کی کانفرنس 21

طالبہ کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا 22

انسانی حقوق کا عالمی دن 23

عورتیں 25

اقلیتیں 26

قانون نافذ کرنے والے ادارے/تعلیم 27

صحت 28

حکایات کا مقابلہ 29

آئین میں دیئے گئے انسانی حقوق کو ہر روز پامال کیا

جاتا ہے 30

خودکشی کے واقعات 31

اقدام خودکشی کے واقعات 34

کاری، کارو کہہ کر مار ڈالا 36

جنسی تشدد کے واقعات 37

انتہاپسندی کی روک تھام اور رواداری کے فروغ کے

لیے منعقدہ تربیتی ورکشاپس کی رپورٹس 41

جہدحق پڑھنے والوں کے خطوط 52

تھر کو درپیش چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آرسی پی) نے مطالبہ کیا ہے کہ تھر کو درپیش متعدد مسائل کے حل کے لیے مقامی آبادی کی مشاورت سے فوری اقدامات کیے جائیں جن میں خاص طور پر بچوں کی اموات کا سبب بننے والے اور خشک سالی کے باعث پیدا ہونے والے مسائل شامل ہیں۔

ایچ آرسی پی کے تھرپارکر کے دورے کے اختتام پر جاری ہونے والے ایک بیان میں کمیشن نے کہا: ''ایچ آرسی پی اپنے مختصر دورے میں تھر کی صورتحال کی پیچیدگیوں کے تجزیے میں حائل رکاوٹوں سے بخوبی واقف ہے۔ البتہ ایچ آرسی پی تھر کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے مرد وخواتین، سول سوسائٹی کے کارکنان اور ترقیاتی ماہرین کا شکر گزار ہے جنھوں نے ہمیں اپنے تجربات سے مستفید کیا۔

''ایچ آرسی پی تھر میں کم سن بچوں کی اموات کی جانب توجہ دلانے میں میڈیا کے کردار کو بھی سراہتا ہے۔ اس سے نہ صرف خشک سالی بلکہ تھر کے دیگر بڑے مسائل کی جانب توجہ مبذول کرانے میں بھی مدد ملی ہے۔

''تھر کے لوگوں کے مسائل خاصے پیچیدہ ہیں اور ہسپتال یا گھروں میں بچوں کی اموات اس کا صرف ایک پہلو ہے۔ بچوں کی بلند شرح اموات ایک دیرینہ مسئلہ ہے جس کے وقوع پذیر ہونے کا سبب محض فاقہ کشی ہی نہیں بلکہ متعدد عوامل پر توجہ نہ دینے میں مسلسل ناکامی بھی ہے جن میں غذائی عدم تحفظ اور غذائیت کی کمی، پینے کے صاف پانی اور حفظان صحت کا فقدان اور خواتین کی تعلیم اور خاندانی منصوبہ بندی کا نہ ہونا شامل ہے۔ غربت، کم عمری کی شادیوں، طویل فاصلوں کے باعث زچگی اور نومولود بچوں کی صحت سے متعلق ہنگامی مراکز تک عدم رسائی، ابتدائی نگہداشت صحت کے ایک غیر موثر ڈھانچے اور ایک سنگدل تقدیر پر قناعت کرنے کے ماحول کے باعث یہ مسائل اور بھی سنگین ہوگئے ہیں۔ تھر کے لوگ ایک ایسے متوسط دانشور طبقے سے محروم ہیں جو ان کے مسئلے کو اجاگر کرے اور انہیں بنیادی مطالبات کے اظہار کے لیے بھی عام طور پر باہر کے لوگوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

''خشک سالی ایک قدرتی اور بار بار وقوع پذیر ہونے والا مظہر ہے جس نے تھر کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ اس نقصان کو پیشگی منصوبہ بندی کے ذریعے کم کیا جا سکتا ہے۔ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حکومت نے انہیں خاطر خواہ اور بروقت مدد فراہم نہیں کی اور یہ کہ وہ تاجر جو کہ امداد فراہم کرنے کے ذمہ دار تھے انہوں نے ذمہ داری پر منافع کو ترجیح دی۔'' ایک بنیادی مسئلہ یہ بھی ہے کہ تھر کی معیشت اور وسائل بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔ طلب میں اضافے کے ساتھ خوراک کی ترسیل یا تو بند یا پھر کم ہوگئی ہے۔ کاشتکاری اور مویشیوں کی افزائش دونوں ہی غیر مستحکم ہو چکے ہیں۔ جانوروں اور مویشیوں کی معیشت نقدی معیشت میں تبدیل ہو چکی ہے۔ لیکن لوگوں کے پاس نقدی رقم نہیں ہے۔ تھر میں پائے جانے والے وافر قدرتی وسائل کو ملازمت کے مواقع پیدا کرنے کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکا اور جو مواقع دستیاب ہیں وہ بھی 400 کلومیٹر یا اس سے بھی زیادہ فاصلے پر موجود ہیں۔ غیر ہنرمند افراد کی ایک بڑی تعداد کو فوری توجہ درکار ہے تاکہ ان کی صلاحیتوں سے استفادہ کیا جا سکے۔ ترقی اور مشقت کے مابین ایک تعلق قائم نہیں کیا گیا۔ یہ خدشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ امداد پر انحصار بڑھ رہا ہے۔'' تھر کے لوگوں کو جن متعدد مسائل کا سامنا ہے وہ ان مسائل سے مختلف نہیں جو پاکستان کے دیگر علاقوں کے لوگوں کو درپیش ہیں؛ پولیس بدعنوان ہے، انتظامیہ نااہل اور سیاسی جماعتیں بے حس ہے۔ دیہات میں قرض داری کی شرح بہت زیادہ ہے اور طرز زندگی میں تبدیلی اور موبائل فون اور موٹر سائکل جو کہ ترقی کی علامت سمجھے جاتے ہیں، کی مانگ میں اضافے کے ساتھ اس میں مزید اضافہ ہوا ہے۔

''ہم نے چند مثبت تبدیلیوں کا بھی مشاہدہ کیا، مثال کے طور پر حالیہ دنوں میں صحت کی سہولیات کی دستیابی میں بہتری آئی ہے اگرچہ اس حوالے سے مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک مثبت تبدیلی یہ بھی ہے کہ خواتین کام کے لیے اپنے گھروں سے نکلنے کے قابل ہوئی ہیں جبکہ کئی علاقوں میں چند خواتین نے ذات کی بنیاد پر تفریق کو مسترد کر دیا ہے اور انتہاپسندوں کی اشتعال انگیزی کے باوجود گروہی ہم آہنگی برقرار ہے۔

''آخری بات یہ کہ پانی، سڑکوں، صحت اور خواتین کی تعلیم سے متعلق مسائل کے حل کے لیے تبدیلی پر مبنی مشترکہ ترقیاتی حکمت عملی تشکیل دینے کی ضرورت ہے؛ اور تبدیلی لانے کے لیے سرکاری و نجی اشتراک کے لیے ضروری سماجی اصول لاگو کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مشاورت اور جامع فیصلہ سازی کی ضرورت کا واضح طور پر ادراک کیا جا سکے اور اس پر عمل درآمد کیا جا سکے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 27 دسمبر 2014]

خواتین مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کی جانب سے کراچی میں منعقد کردہ مشاورت کے اختتام پر کہا گیا کہ ملک میں ملازمت پیشہ خواتین کے حقوق کی آ گہی پھیلانے، جنس سے قطع نظر مساوی کام کے مساوی معاوضے کو یقینی بنانے، معاشرے اور ملکی معیشت میں خواتین کی خدمات کا اعتراف کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

''خواتین کا معاوضہ وروزگار'' کے عنوان سے منعقد ہونے والی مشاورت کے شرکاء نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ گھروں میں رہ کر کام کرنے والی خواتین (ایچ بی ڈبلیو) اور گھریلو ملازمین کو مزدور کا درجہ دیا جائے تاکہ وہ بھی سماجی تحفظ کی سہولت سے مستفید ہوسکیں۔ شرکاء کا کہنا تھا کہ ملکی معیشت کا 35 فیصد غیر رسمی شعبے سے آتا ہے اور لاکھوں ملازمین خصوصاً خواتین اس شعبے سے تعلق رکھتی ہیں۔ چنانچہ یہ لمحہ فکریہ ہے کہ یہ ملازمین نہ تو یونین سازی کرسکتے ہیں اور نہ ہی کم از کم مقررہ اجرت سمیت اپنے دیگر حقوق کا مطالبہ کرسکتے ہیں جو مزدوروں کو پاکستان کے قوانین یا پاکستان کے توثیق کردہ انسانی حقوق کے عالمی معاہدات کے تحت حاصل ہیں۔

انسانی حقوق کی معروف کارکن خالدہ غوث نے روزگار کے رجحانات، جنس کی بنیاد پر امتیازی سلوک، استحصال اور ایک جیسے کام پر مردوں اور عورتوں کے لیے غیر مساوی معاوضے جیسے معاملات پر ایک مقالہ پیش کیا۔ ایچ بی ڈبلیوز اور گھریلو ملازمین کے حقوق پر مامور گھریلو ملازمین کی تنظیم کی عہدیدار زہرا علی نے کہا کہ ان ملازمین کے حوالے ہمہ گیر پالیسی کے حوالے سے یکساں معاوضے پر ایک خاص قسم کی مشکل درپیش آئی تھی کیونکہ ان کے کام کی نوعیت مختلف تھی خاص طور پر ایچ بی ڈبلیوز مہارت یافتہ ملازمین تھے۔ سماجی کارکن ڈاکٹر سجاد نے کام کے دوران پیش آنے والے حادثات اور زچگی کے دوران خواتین ملازمین کو صحت کے مسائل کے بارے گفتگو کی۔ سول سوسائٹی کی کارکن فرحت پروین نے لیبر سے متعلقہ قوانین پر سیر حاصل گفتگو کی اور خواتین مزدوروں کے لیے اجتماعی معاملات سازی کی اہمیت اجاگر کی۔

شرکاء میں خواتین ملازمین، طلباء وطالبات، سماجی کارکنوں، خواتین ڈاکٹرز اور سول سوسائٹی کے نمائندوں کی بہت بڑی تعداد شامل تھی۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 29 دسمبر 2014]

فوجی عدالتوں کے قیام پر اظہار تشویش

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے دہشت گردی سے متعلق مقدمات کی سماعت کے لیے فوجی افسروں کی سربراہی میں خصوصی عدالتیں قائم کرنے کے فیصلے پر سخت تشویش کا اظہار کیا ہے۔

جمعہ کو جاری ہونے والے ایک بیان میں ایچ آر سی پی نے کہا کہ تمام جماعتوں نے اس ناخوشگوار فیصلے کی حمایت کی جس سے کمیشن کو مایوسی ہوئی حالانکہ ان میں سے چند جماعتوں نے پہلے ان عدالتوں کے قیام پر تحفظات کا اظہار کیا تھا۔ ایچ آر سی پی کو اس اقدام پر کئی تحفظات ہیں۔

پہلا یہ کہ اس فیصلے سے عدلیہ کمزور ہوگی۔ اس کے علاوہ ان عدالتوں کے قیام سے ملک میں ایک آزاد اور مضبوط عدالتی نظام پر عدم اعتماد کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اعلیٰ عدلیہ نے ماضی میں کئی فوجی عدالتوں کو غیر آئینی قرار دیا ہے۔ دوسرا یہ کہ شہریوں پر فوجی عدالتوں میں مقدمہ چلانے کا معاملہ ہمیشہ سے ہی متنازعہ رہا ہے اور ایک بار پھر اعلیٰ عدلیہ نے اس کی مخالفت کی ہے۔ ''فوری انصاف'' کا نظام کبھی بھی شفاف نہیں رہا اور نہ ہی تیز رفتار ثابت ہوا ہے۔

تیسرا یہ کہ اس بات کا خدشہ موجود ہے کہ سیاسی اختلاف رائے رکھنے والے افراد بالخصوص وہ جن کا تعلق بلوچستان اور سندھ سے ہے، وہ ان فوجی عدالتوں کا نشانہ بن سکتے ہیں۔

ایچ آر سی پی کا یہ موقف ہے کہ اس کی بجائے تحقیقات اور مقدمہ چلانے کے عمل میں اصلاح کی جائے اور اسے مضبوط بنایا جائے۔ اصلاحات میں تشدد اور جبر کی بجائے تفتیش کے سائنسی طریق کار کے علاوہ گواہان، وکلاء اور ججوں کے تحفظ سے متعلق پروگرام شامل کیے جائیں۔ جلد بازی میں کیا گیا یہ فیصلہ اس لیے بھی قابل اعتراض ہے کہ سپریم کورٹ بذات خود دہشت گردی کے مقدمات کو فوری طور پر نپٹانے کی کوشش کررہی ہے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 26 دسمبر 2014]

پشاور میں بچوں کے قتل عام پر موثر ردعمل لازمی ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے پشاور میں بچوں کے قتل عام کے واقعے کی فوری اور جامع تحقیقات کرنے اور قوم کے مستقبل کے قاتلوں کے بلواسطہ یا بلاواسطہ معاونت کرنے والے تمام عناصر کو بے نقاب کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔

کمیشن نے اپنے ایک بیان میں کہا: ایچ آر سی پی کا حکومت سے مطالبہ ہے کہ پشاور میں خوفناک غارت گری پر انتقامی یا جذباتی ہونے کی بجائے نہایت سوچا سمجھا اور موثر رد عمل ظاہر کیا جائے۔ یہ وقت محض عوامی ہمدردیاں جیتنے یا لفاظی سے رائے عامہ کا رُخ موڑنے کا نہیں ہے۔ ایچ آر سی پی کو یقین ہے کہ پھانسیوں پر غیر رسمی پابندی پر نظر ثانی کرنے سے پاکستان کو درپیش چیلنج حل نہیں ہوگا۔ تحقیقاتی نظام اور عمومی طور پر پورے فوجداری نظام انصاف میں موجود خامیوں پر فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ محض سزا کی بجائے منصفانہ سزا کو یقینی بنایا جائے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ انتہا پسندی یا نفرت انگیز تقاریر میں ملوث تمام افراد اور گروہوں کا سزا سے استثنیٰ ختم کیا جائے۔ الفاظ کی حد تک کالعدم انتہا پسند جنگجو گروہوں کے خلاف فیصلہ کن کارروائی میں بھی مزید تاخیر مہلک ہوگی۔

ایچ آر سی پی کا مطالبہ ہے کہ پشاور میں بچوں پر المناک حملے کے تمام پہلوؤں سے عوام کو آگاہ کیا جائے۔ ایسے قیامت خیز سانحے کی معلومات کی فراہمی صرف نیوز میڈیا کے ذریعے ہی کافی نہیں تھی۔

عوام کا مطالبہ ہے اور وہ پُرامید ہیں کہ قوم کے مستقبل کے معماروں پر بدترین دہشت گردانہ حملہ کرنے والے دہشت گردوں کی بلواسطہ یا بلاواسطہ مدد کرنے والے تمام عناصر کو بے نقاب کرنے کے لیے بلاتاخیر مکمل تحقیقات کی جائیں گی۔ قتل عام کے وقوعے کی پیشگی نشاندہی کرنے میں خفیہ معلومات کے ڈھانچے کی ناکامی کی وجوہات کی نشاندہی بھی ضروری ہے۔ وقوعے کے تحقیقاتی عمل میں افغانستان میں ہی نہیں بلکہ دہشت گردوں کے حمایتی سلسلے کے تمام روابط کا جائزہ لیا جائے۔

''ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ بے رحمی سے ذبح کیے گئے ہمارے بچوں اور ان کے والدین نے ریاست کی ناقص سمت بندی اور عقیدے کے نام پر عدم رواداری کو فروغ دینے کی ایک بھاری قیمت ادا کی ہے۔ اب یہ ضروری ہے کہ ماضی کی اس روش کو ترک کیا جائے اور تمام متعلقہ فریقین یکساں موقف اپنائیں اور ایک مربوط انسداد دہشت گردی پالیسی کے ذریعے اس دائمی غارت گری کا خاتمہ کریں۔ یہ امید کی جانی چاہیئے کہ اچھے اور برے طالبان کے روایتی نقطہ نظر کو ترک کرنے کے حالیہ عہد کا پاس رکھا جائے۔

'' یہ بات سب پر واضح ہونی چاہیئے کہ دہشت گردوں کی حمایت کرنے سے محض دہشت گردی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ اس بات کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے کہ دہشت گردوں سے تعلقات رکھنے والے یا ان کے سرگرم

حمایتی اپنے کیے پر نادم ہیں۔ یہ غم زدہ قوم مطالبہ کرتی ہے کہ وہ سیاسی جماعتیں جو ان سفاک قاتلوں سے قطع تعلق کرنے سے انکاری ہیں یا جو ان کا دفاع کرنے پر کمربستہ ہیں انہیں کسی کی بھی نمائندگی کرنے کا حق حاصل نہیں ہونا چاہئے۔

''اس امر پر سب متفق ہیں کہ پاکستان اور افغانستان میں ہونے والی دہشت گردی ایک علاقائی مسئلہ ہے۔ اگر یہ دونوں ممالک طالبان اور دیگر دہشت گردوں سے ان کی محفوظ پناہ گاہوں سے چھین لیں تو ان کے پاس انسانیت کو لاحق اس سنگین خطرے کو ختم کرنے کا ایک بہترین موقع ہوگا۔

''لوگ یہ پوچھنے پر مجبور ہو چکے ہیں کہ یہ کیسی ریاست ہے کہ جہاں مٹھی بھر لوگ آتے ہیں اور ہماری آئندہ نسلوں کو وحشیانہ طریقے سے قتل کر دیتے ہیں۔ کسی کو کوئی شک نہیں ہونا چاہئے کہ اگر ہم ان سنگین حالات میں بھی کوئی موثر اقدام کرنے میں ناکام رہے تو مہذب اقوام کی فہرست میں پاکستان کا نام برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 18 دسمبر 2014]

طالبان اور پاکستان ایک ساتھ نہیں رہ سکتے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے پشاور میں فوج کے زیر انتظام چلنے والے سکول پر طالبان کے حملے میں 120 سے زیادہ بچوں کے قتل کو قومی سانحہ قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس قومی المیہ سے ان لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو اب بھی سمجھتے ہیں کہ طالبان اور پاکستان ایک ساتھ موجود رہ سکتے ہیں۔

منگل کے روز جاری ہونے والے بیان میں کمیشن نے کہا کہ ایچ آر سی پی کو پشاور کے آرمی پبلک سکول پر طالبان کے حملے میں عظیم جانی نقصان پر شدید صدمہ پہنچا ہے۔ یہ قومی المیہ ہے، جس پر پوری قوم کو شدید دُکھ ہوا ہے۔ آج کا دن پاکستان میں ماتم کا دن ہے۔ تمام پاکستانی دہشت گردی کے اس مکروہ عمل سے بے حد دُکھی ہوئے ہیں اور ان کے دل شہید ہونے والے بچوں کے والدین کی طرح ہی دُکھی ہیں۔

اگرچہ دہشت گردی کا ہدف فوج کے زیر انتظام چلنے والا سکول تھا لیکن یہ تو ایک سکول تھا۔ بچے طالبان کے خلاف نہیں لڑ رہے۔ اس کے باوجود اس مکروہ عمل کے ہدف کا چناؤ اور بھاری تعداد میں بچوں کی ہلاکتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس خونریزی کا مقصد زیادہ سے زیادہ بچوں کو قتل کرنا تھا۔

مذہب سمیت مسلح تصادم کے قواعد بچوں کو نشانہ بنانے کا کوئی جواز فراہم نہیں کرتے لیکن یہ کوئی راز نہیں رہا کہ قاتل اور انہیں سکول پر حملہ کرنے کے لیے بھیجنے والوں کے دلوں میں نہ تو مذہب کا احترام ہے اور نہ ہی وہ مہذب رویہ رکھنے والے لوگ ہیں۔ ان کے لیے بچوں کو نشانہ بنانا اس لیے معمول کی بات ہے کہ ان کا مقصد صرف اور صرف خون بہانا ہے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق اپنے اس یقین کا اعادہ کرتا ہے کہ طالبان اور پاکستان ایک ساتھ نہیں رہ سکتے اور جو کوئی اب بھی اس کے برعکس تصور کرتا ہے اس کو نادان ہی کہا جا سکتا ہے۔ یہ حقیقت آج کے انتہائی تکلیف دہ واقعہ سے بہت پہلے ہی ثابت ہو چکی ہے کہ علم کے حصول اور بچوں کی زندگیوں کے حوالے سے طالبان کی سوچ کیا ہے۔ ان کے آج کے بدترین عمل نے ایک بار پھر ثابت کر دیا ہے کہ جب تک طالبان کو مکمل طور پر شکست نہیں دے دی جاتی پاکستان میں اس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا۔

بچوں کے اس سفاکانہ قتل نے ایک بار پھر واضح کر دیا ہے کہ دہشت گردوں کے خلاف جنگ کا مطلب کیا ہے اور اگر اس دلسوز سانحہ سے بھی ان لوگوں کی آنکھیں نہیں کھلتیں اور جو اب بھی طالبان کے بارے میں نرم لفظوں کا استعمال کرتے ہیں تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنی گردنیں ریت میں دبائے ہوئے ہیں اور جو اب بھی دہشت گردوں کے خلاف آپریشن شروع کرنے سے باز رہنے کی تلقین کرتے نہیں تھکتے۔

ایچ آر سی پی وفاقی اور تمام صوبائی حکومتوں سے کہتا ہے کہ وہ یکجا ہو کر، متحد ہو کر اس صورتحال سے نمٹنے کے لیے سخت ترین اقدامات کریں اور انہیں یہ کام ترجیحی بنیادوں پر کرنا چاہئے۔ خیبر پختونخوا حکومت کو عسکریت پسندوں کے لئے اپنی دوستانہ پالیسی پر نظر ثانی کرنی چاہئے اور وہ اپنے عمل کے ذریعے شہریوں کو دہشت گردوں کے ظلم سے نجات دلائے۔ کمیشن نے کہا کہ ہمیں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ طالبان کے خلاف جنگ درحقیقت پاکستانی بچوں کی زندگیوں کے لئے جنگ ہے، بربریت کرنے والے طالبان اور ان جیسوں سے بچوں کے مستقبل کو تحفظ دینے کی جنگ ہے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 16 دسمبر 2014]

جبری گمشدگیوں میں ملوث اداروں اور افراد کو قانون کی گرفت میں لایا جائے

تعلق رکھنے والے فعال کارکن روشن بروہی کی لاش 12 نومبر کو ملیر کراچی کے قرب وجوار سے ملی۔ لاش گولیوں سے چھلنی تھی۔ انہیں 26 اکتوبر کو اٹھایا گیا تھا۔

سندھ یونیورسٹی کے طالب علم اور جئے سندھ متحدہ محاذ کے فعال رکن آصف پنہوار کی لاش 26 نومبر کو لاڑکانہ کے ایک گاؤں سے ملی۔ انہیں کئی گولیاں ماری گئی تھیں۔ انہیں سکیورٹی فورسز نے 15 اگست کو جامشورو سے اٹھایا تھا۔ 27 نومبر کو جئے سندھ قومی محاذ (جے ایس کیو ایم) کے فعال کارکن وحید لاشاری کی لاش ملیر کراچی کے ایک جوہڑ سے ملی۔ انہیں 29 روز قبل قنبر شہدادکوٹ سے اس وقت اٹھایا گیا تھا جب وہ اپنی ہمشیرہ کے ساتھ ایک پبلک ٹرانسپورٹ وین میں سفر کر رہے تھے۔ فرسٹ ایئر کے طالب علم اللہ واڈیو کو کراچی سے 13 اگست کو اٹھایا گیا۔ 2 دسمبر کو چند نامعلوم افراد اللہ واڈیو کو شدید زخمی حالت میں حب چوک کے قریب پھینک کر فرار ہو گئے۔ پولیس نے اس کے والدین کو اطلاع کی جنہوں نے اسے سول ہسپتال کراچی میں داخل کروا دیا۔ سکیورٹی ایجنسیوں کے لوگوں نے اسے ہسپتال سے اٹھایا اور 3 دسمبر کو حیدرآباد بائی پاس سے اس کی لاش ملی۔ کمیشن نے کہا کہ ''متعدد واقعات میں سکیورٹی فورسز کے ملوث ہونے کی شہادتیں ملی ہیں جبکہ چند معاملات میں ان کا کردار کافی مشکوک نظر آتا ہے۔ پاکستان بھر میں گزشتہ ایک دہائی کے دوران اس حوالے سے حکام کا جو کردار رہا ہے اس حوالے سے دیکھا جائے تو سکیورٹی اداروں کے ایسے معاملات میں ملوث ہونے کا یقین ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں''۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے مزید کہا کہ ''دنیا بھر میں اس قسم کی جبری گمشدگیوں کے نتائج کبھی حکام کی خواہشات کے مطابق نہیں نکلے۔ بلکہ اس قسم کے واقعات نے ہمیشہ جلتی پر تیل کا کام کیا ہے اور لوگوں میں نفرت کے جذبات کو پیدا کیا ہے جس کے باعث لوگ اور علاقے ایک دوسرے کے قریب ہونے کی بجائے دور ہوتے چلے گئے ہیں۔ قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف نے سندھ میں بلوچستان جیسی صورتحال پیدا کرنے کے خلاف متنبہ کیا اور واضح کیا ہے کہ صوبے میں گولیوں سے چھلنی لاشیں بھیجنے کے نتائج انتہائی منفی ہوں گے''۔

''یہ انتہائی قابل مذمت بات ہے کہ کوئی ریاست اپنے شہریوں کو اغواء کرنا شروع کر دے۔ ایسے وقت میں کہ جب پاکستان متعدد چیلنجوں میں گھرا ہوا ہے، اس کے بدترین دشمن ہی ملک کے کسی حصے میں جبری گمشدگیوں میں تسلسل دیکھنا پسند کریں گے۔ ایچ آر سی پی طویل عرصہ سے مطالبہ کر رہا ہے کہ جبری گمشدگیوں کے ذمہ داروں کے خلاف مقدمے چلائے جائیں۔ یہ مطالبہ اس لئے بھی کیا جاتا ہے کہ مقدمے نہ چلانے کے باعث دوسرے حکام کو بھی شہہ ملتی ہے کہ وہ خود کو اس قسم کے جرائم میں ملوث کریں۔ کمیشن ایک بار

پھر اپنے مطالبہ کو دہراتا ہے کہ جبری گمشدگیوں میں ملوث تمام حکام کو، چاہے ان کا تعلق کسی بھی ادارے سے کیوں نہ ہوں، گرفتار کر کے ان کے خلاف مقدمے چلا کر عدالتوں کے ذریعے انہیں قرار واقعی سزائیں دلوائی جائیں۔ ورنہ اس عفریت سے نجات حاصل کرنا ممکن نہیں ہوگا''۔

''ایچ آر سی پی، سندھ میں جبری گمشدگیوں کی مذمت کرنے پر قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف کو خراج تحسین پیش کرتا ہے اور امید کرتا ہے کہ حکومت اس آواز میں اپنی آواز بھی شامل کرے گی اور اس رویے کے سدباب کے لئے فوری اقدامات کرے گی۔ کمیشن حکومت پر زور دیتا ہے کہ حکومت پاکستان جبری گمشدگی سے تمام لوگوں کو تحفظ مہیا کرنے والے انٹرنیشنل کنونشن کی بغیر کسی تاخیر کے توثیق کرے اور اس پر فوری عمل درآمد کرائے۔ پاکستان ان دوسرے ممالک سے اس سلسلے میں مدد حاصل کرے جنہیں اس عفریت کا سامنا تھا اور جنہوں نے اس کنونشن کی توثیق کر کے عمل درآمد کیا۔ کمیشن سول سوسائٹی اور قومی میڈیا سے بھی کہتا ہے کہ اس انتہائی منفی رجحان کو روکنے کے لئے اس کی تشہیر کرے اور اس بات کو دیکھے کہ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا اعادہ نہ ہو اور قومی مفاد کے تحفظ میں اپنا کردار ادا کرے''۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔05 دسمبر 2014]

ایچ آر سی پی کی جانب سے لاہور میں نابینا مظاہرین پر پولیس تشدد کی مذمت

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے لاہور میں نابینا مظاہرین پر پولیس تشدد کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس پُر تشدد اقدام نے ڈنڈا برداروں کی درندگی کے چہرے پر سے نقاب نوچ لیا ہے۔ ایک بیان میں کمیشن نے کہا کہ ''پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نابینا مظاہرین پر پولیس تشدد کی مذمت کرتا ہے۔ ان نابینا افراد کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ وزیراعلیٰ کے سیکرٹریٹ پر جا کر اپنا احتجاج ریکارڈ کروانا چاہتے تھے؟''

کمیشن نے مزید کہا کہ ''ہر شخص اس سے اتفاق کرے گا کہ مظاہرین حدود میں رہتے ہوئے اپنے مطالبات کے حق میں مظاہرہ کر رہے تھے۔ یہ لوگ نہ تو عوامی تحفظ کے لئے کوئی خطرہ تھے اور نہ ہی امنِ عامہ کو ان سے کوئی خطرہ ہوسکتا تھا۔ وہ نہ تو متشدد ہوئے اور نہ ہی انہوں نے کسی شکل میں کسی قسم کے تشدد کا مظاہرہ کیا۔ کیا کسی بھی صورت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سفید چھڑیاں ڈنڈا بردار پولیس کے لئے کسی قسم کا خطرہ تھیں''۔

کمیشن نے مزید کہا کہ ''اگر مظاہرین وزیراعلیٰ کے سیکرٹریٹ تک پہنچ جاتے تو یقینی طور پر آسمان نہ گر پڑتا۔ وزیراعلیٰ یا ان کی جگہ ان کے اختیارات استعمال کرنے والے حکام یا کوئی سینئر نمائندہ اگر مظاہرین سے مل لیتا اور ان کے مطالبات سن لیتا تو بہت ہی بہتر ہوتا۔ تاہم اب افسوسناک بات یہ ہے کہ چیزوں کو بہتر کرنے کا وقت گزر چکا ہے۔ زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ ان نابینا مظاہرین پر اس روز تشدد ہوا جو معذوروں کے عالمی دن کے موقع پر منایا جا رہا تھا۔ اس شرمناک واقعہ سے اس روز کی اہمیت نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ اگر اس قسم کے بدنما واقعات بھی حکومت کو جگا نہیں سکتے تو سمجھ لینا چاہئے کہ نابینا افراد یقیناً اندھوں اور دل نہ رکھنے والے لوگوں سے مدد طلب کر رہے ہیں''۔

''جو لوگ پنجاب پولیس کو بلاضرورت طاقت کے استعمال سے روکنے کا درس دیتے نہیں تھکتے انہیں چاہئے کہ وہ اس خواہش کو ختم کر دیں۔ پنجاب پولیس جو اپنی بہیمیت اور انسان دشمنی کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے، شاید اس سے زیادہ نیچے نہیں گر سکتی۔ پنجاب حکومت کو اس واقعہ پر شرم آنی چاہئے اور اس شرمناک واقعہ کو ''تحقیقات'' کے نقاب کے اندر چھپانا نہیں چاہئے۔ ایسی تحقیقات جو کسی نتیجہ پر نہیں پہنچتیں سوائے اس کے کہ چند پولیس والوں کو معطل کر دیا جائے۔ پولیس والے جو مظاہرین کو پیٹتے ہیں اور وہ جو مارنے کا حکم دیتے ہیں انہیں انصاف کے کٹہرے میں لانا چاہئے۔ صرف یہی نہیں بلکہ پولینگ اور ہجوم پر قابو پانے کے تصور کو عوام دوستی کے نکتہ نظر سے دیکھا جانا چاہئے۔ کچھ لوگ یہ بھی سوچتے ہیں کہ لاہور میں جسمانی طور پر معذور افراد نے یہ کیسے یقین کر لیا کہ اپنی بات منوانے کا بہترین راستہ وزیراعلیٰ سیکرٹریٹ کے باہر جمع ہو کر نعرے لگانا ہے۔ ان سوالوں میں سے کسی کے جواب سے بھی طرزِ حکمرانی کے مختلف نقطہء ہائے نظر پر اترانے والے ملک بھر کے رہنما اطمینان محسوس نہیں کریں گے''۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔04 دسمبر 2014]

فیصل آباد کے سیاسی تصادم میں انتظامیہ تماشائی بنی رہی

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے پیر کو فیصل آباد میں ہونے والے متشدد سیاسی تصادم پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے امن وامان کے قیام کے لیے مناسب اقدامات نہ کرنے اور پاکستان تحریک انصاف کے ساتھ گفت وشنید کے ذریعے صورت حال کو قابو میں رکھنے میں ناکامی پر حکام کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔

منگل کو جاری ہونے والے ایک بیان میں کمیشن نے کہا کہ ''ایچ آر سی پی کو فیصل آباد میں ہونے والے پرتشدد واقعات پر شدید دُکھ ہوا ہے جس کے نتیجے میں پاکستان تحریک انصاف کا ایک نوجوان کارکن جاں بحق ہوا جبکہ پولیس والوں سمیت متعدد افراد زخمی ہوئے۔''

''یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ امن وامان کو برقرار رکھا جائے، اور شہریوں کے جان و مال کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ حالات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ پیر کو ہونے والا مظاہرہ متشدد ہوسکتا تھا اس لیے کہ حکمران جماعت اور پی ٹی آئی دونوں کی طرف سے اشتعال انگیز بیانات آ رہے تھے اس کے باوجود حکام نے مناسب اقدامات کرنا ضروری نہیں سمجھا اور نہ ہی امن وامان کو برقرار رکھنے کے لیے مناسب طریقے اختیار کیے۔ پولیس والے اسلحہ کے استعمال کو خاموشی سے دیکھتے رہے اور گولیاں چلانے والوں کو کوئی روکنے والا نہیں تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکام کو اس سارے معاملے سے کوئی سروکار ہی نہیں تھا۔ فیصل آباد میں پاکستان تحریک انصاف اور حکمران جماعت پاکستان مسلم لیگ (ن) کے کارکنوں کے درمیان ہونے والے پرتشدد تصادم نے نہ صرف یہ کہ موجودہ کشیدہ سیاسی صورتحال کو مزید کشیدہ بنایا دیا ہے بلکہ سیاسی کشمکش میں تشدد کے عنصر کو پروان چڑھایا ہے۔ اس انتہائی تکلیف دہ تصادم کی ٹی وی چینلوں کے ذریعے کوریج کے باعث پی ٹی آئی کے کارکن کا قاتل چھپا نہیں رہ گیا۔ اس لیے اس کو فوری طور پر گرفتار کر کے اس کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے۔

''دوسرا تشویشناک معاملہ یہ ہے کہ پی ٹی آئی کے کارکن پیر کے روز تشدد کے بل بوتے پر دکانیں اور دفاتر بند کراتے رہے۔ اُنہوں نے ٹائر جلا کر راستے بند کر دیئے اور میڈیا کے لوگوں کے خلاف بھی طاقت کا استعمال کیا۔ دونوں پارٹیوں کے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ انہیں اپنے جذبات پر قابو رکھنا چاہیے اور دونوں جماعتوں کے رہنماؤں کا فرض تھا کہ وہ اپنے کارکنوں کو قابو میں رکھیں اور انہیں خود کو اپنے کارکنوں کے اعمال کا ذمہ دار سمجھنا چاہیے۔

ایچ آر سی پی سمجھتا ہے کہ حکمران جماعت کی یہ سوچ غیر حقیقت پسندانہ ہے کہ پی ٹی آئی کی مہم ختم ہو جائے گی۔ اور عوام اس کے فیصلوں پر کان نہیں دھریں گے۔ دونوں فریقوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ مذاکرات کے ذریعے اس صورتحال پر قابو پائیں۔ اس حوالے سے انہیں ابتدائی قدم یہ اٹھانا چاہئے کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف بدزبانی بند کریں اور اشتعال انگیز تقاریر نہ کریں۔ اور اس طرح سیاسی فضا میں موجود کشیدگی کو ختم کریں۔ کمیشن نے کہا کہ فیصل آباد کے واقعات نے اس اہمیت کو ایک بار پھر اجاگر کیا ہے کہ میڈیا کے لوگوں کو تحفظ مہیا کیا جانا چاہیے۔ اور میڈیا والوں کا تحفظ حکام کے علاوہ سیاسی جماعتوں کا بھی فرض ہے۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔09 دسمبر 2014]

بمباری کا شکار ہونے والوں کے حقوق

آئی۔ اے۔ رحمٰن

اسلام آباد نے شہریوں پر بمباری کے خلاف مضبوط آواز نہ اٹھائی تو اس کی ساکھ جاتی رہے گی

اس دوران کہ جب جیوری پاکستان کے قبائلی علاقوں میں امریکی ڈرون حملوں کے بارے میں پسندیدگی اور اثرات کو جانچنے کے عمل میں مصروف ہے، ان حملوں میں معصوم شہریوں کی ہلاکتوں کے حوالے سے دی جانے والی یہ دلیل قانونی ماہرین یا انسانی حقوق کے متحرک کارکنوں کے لیے ناقابل قبول ہے کہ ان حملوں سے عام آدمی کو نقصان پہنچنا ناگزیر ہے۔

ڈرون حملوں کے متاثرین کو مناسب معاوضہ یا زرِتلافی کے معاملے کے حوالے سے اوپن سوسائٹی کی ایک سٹڈی حال ہی میں شائع ہوئی ہے جس کا عنوان ہے ''یو ایس اور پاکستان کی ڈرون حملوں کے حوالے سے ذمہ داریاں''۔ اس سٹڈی میں مناسب معاوضہ پر انتہائی مؤثر انداز میں بحث کی گئی ہے۔ اس بحث پر امریکہ اور پاکستان دونوں کے پالیسی سازوں کو بھرپور توجہ دینی چاہیے۔

یہ سٹڈی ایک پاکستانی تنظیم کی طرف سے کی گئی تحقیق پر مبنی ہے جو 2012ء اور 2013ء کے دوران شمالی اور جنوبی وزیرستان میں کی گئی۔ جون 2009ء سے دسمبر 2012ء کے درمیانی عرصے کے دوران کل 27 ڈرون حملوں کے بارے میں تحقیقات کی گئیں۔ جن لوگوں کو انٹرویو کیا گیا، ان میں سے 96 وہ لوگ تھے جو ان حملوں کے شاہد، متاثرین اور ان کے رشتہ دار تھے جبکہ 18 افراد امریکہ اور پاکستان کے حالیہ اور سابقہ ملازم، اساتذہ، ماہرین اور اخبار نویس تھے۔

ڈرون حملوں میں شہری نقصانات کا تخمینہ چند ایک تحقیقی کاموں سے لگایا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر 24 اکتوبر 2012ء کو ایک سابق سکول پرنسپل وئیر شیم جان کے گھر پر ڈرون میزائل مارے گئے۔ وئیر شیم جان 2008ء کے انتخابات میں قومی اسمبلی کے لیے امیدوار بھی تھے۔ اس ڈرون حملے میں جان کی اہلیہ جاں بحق ہو گئیں اور ان کے کئی نواسے نواسیاں اور پوتے پوتیاں زخمی ہوئے۔

دوسرا واقعہ جس کی شہ سرخیاں بنیں، متعدد طالبان کی ہلاکت سے متعلق تھا۔ ہلاک ہونے والے طالبان میں مولوی نذیر گروپ کے دو ممتاز کمانڈر بھی شامل تھے۔ یہ واقعہ 13 مارچ 2012ء کا ہے جب جنوبی وزیرستان میں ان کمانڈروں کی گاڑی پر ڈرون میزائل مارا گیا۔ تاہم متاثرین میں سے ایک نور محمد عام شہری تھا اور اس کا تعلق طالبان کے کسی گروپ سے نہیں تھا۔ اس واقعہ پر ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ پر وائٹ ہاؤس کے ترجمان نے رائے دیتے ہوئے صدر اوباما کی ایک تقریر کا حوالہ دیا جس میں انہوں نے واضح کیا تھا کہ ''یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ امریکی حملوں کے نتیجے میں شہریوں کی ہلاکتیں ہوئی ہیں اور یہ خدشہ ہر جنگ میں موجود ہوتا ہے''۔

12 سالہ لڑکا عارف ان شہریوں میں سے تھا جو اُن 20 ممکنہ دہشت گردوں کے ساتھ اس ڈرون حملے میں جاں بحق ہوئے تھے۔ یہ ڈرون حملہ 22 اپریل 2011ء کو شمالی وزیرستان میں ایک مہمان خانے پر کیا گیا تھا۔ ایسوسی ایٹڈ پریس نے دعویٰ کیا تھا کہ اس کی تحقیقات کے مطابق عارف ان پانچ خواتین اور بچوں میں سے ایک تھا جو اس حملہ میں جاں بحق ہوئے تھے۔

یہ تحقیق بتاتی ہے کہ امریکہ ان علاقوں پر ڈرون حملے کر رہا ہے جہاں لوگ دہشت گردوں اور فوج دونوں کے ہاتھوں خود کو بے دست و پا، بے یار و مددگار اور یورش زدہ محسوس کرتے ہیں۔ بہت سے پاکستانی کہتے ہیں کہ ڈرون حملوں نے فاٹا میں دہشت گرد گروہوں کی قلیل المدت عسکری اہلیت و صلاحیت کو فاٹا میں کمزور کیا ہے اور حکمت عملی کے حوالے سے شاید پاکستانی فوج کو فائدہ پہنچایا ہے۔ ایک اور نکتہ نظر جس پر توجہ دی گئی یہ ہے کہ ڈرون حملوں میں توسیع کے باعث پاکستانی فوج اور حکومت کو سیاسی طور پر اور حکمت عملی کے حوالے سے اہم فائدہ پہنچا ہے۔

> تحقیق بتاتی ہے کہ امریکہ ان علاقوں پر ڈرون حملے کر رہا ہے جہاں لوگ دہشت گردوں اور فوج دونوں کے ہاتھوں خود کو بے دست و پا، بے یار و مددگار اور یورش زدہ محسوس کرتے ہیں۔

تحقیق پاکستانی حکومت کی لاتعلقی کی پالیسی ظاہر کرتی ہے جس کے تحت ڈرون حملوں کے دوران ہونے والی شہری ہلاکتوں کے کوائف کو درج ہی نہیں کیا جاتا حالانکہ فاٹا سیکرٹریٹ نے بعض اوقات ایسا کرنے کی اپنی صلاحیت کا اظہار بھی کیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق ''جب پاکستانی حکومت معلومات اکٹھی کرتی ہے، شہری ہلاکتوں کی تصدیق کرتی ہے اور معاوضہ دیتی ہے اور ان لوگوں کی تلافی کرتی ہے جو دہشت گردوں اور عسکریت پسندوں کے حملوں میں جاں بحق یا زخمی ہوئے یا بعض اوقات پاکستان کی سکیورٹی فورسز کا نشانہ بنتے ہیں، تو نہ تو کوئی پالیسی موجود ہوتی ہے اور نہ ہی اس بات کی تصدیق کے لیے فنڈز ہوتے ہیں کہ ڈرون حملوں سے واقعی شہریوں کا جانی و مالی نقصان ہوا ہے تاکہ انہیں معاوضہ ادا کر کے ان کے نقصان کی تلافی کی جا سکے۔

تین ایسے عوامل کی شناخت ہو پائی ہے جن کے باعث ان کوششوں کو نقصان پہنچا ہے جن کا تعلق ڈرون حملوں کے نتائج سے ہے۔ پہلا شہریوں کے نقصانات کے دعوؤں کی تصدیق اور اعتراف کرنے کے حوالے سے امریکہ کی ناکامی ہے۔ دوسرا ڈرون حملوں کی حمایت اور مخالفت پر ہونے والے بحث و مباحثے میں عمومی طور پر اس کی اہمیت، سیاسی طور پر غیر اہم بنائے جانے والے اور فاٹا میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو نظر انداز کر دیا جانا ہے اور تیسرا شفافیت، احتساب اور امریکی ڈرون حملوں سے ہونے والے شہری نقصان کی تلافی کو یقینی بنانے میں اسلام آباد کی نااہلی ہے۔

رپورٹ میں واشنگٹن اور اسلام آباد کو ایسی سفارشات کی گئی ہیں جو مکمل طور پر اطمینان بخش ہونے کے علاوہ عیب سے پاک ہیں۔ امریکی حکومت کو کہا گیا ہے کہ وہ پاکستان میں اپنے طاقت کے مہلک استعمال کے حوالے سے بین الاقوامی قانون پر عمل درآمد کو یقینی بنائے، جان لیوا اہداف کے معیار اور طریق کار کو واضح کرے، شہریوں کے نقصانات کی تحقیقات کرے اور پاکستان کو مالی اور فنی امداد مہیا کرے تاکہ حکومت پاکستان ڈرون حملوں کی تحقیقات کرنے کے علاوہ ان حملوں کے متاثرین کو معاوضہ ادا کرے۔

پاکستانی حکومت سے درخواست ہے کہ ڈرون حملوں میں جاں بحق یا زخمی ہونے والے شہریوں کی شناخت کرنے، ان کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنے اور انہیں معاوضہ، امداد مہیا کرنے کے علاوہ ان کی بحالی کے شفاف طریقۂ کار کا تعین کرے۔ اس رپورٹ کو پاکستان کی ان کوششوں کو مستحکم کرنا چاہیے جو وہ انسانی حقوق کی کونسل کے ذریعے ڈرون حملوں کے خلاف ناپسندیدگی کے اظہار کے لیے کرتا ہے خصوصاً وہ کام جو کاؤنٹر ٹیررازم کے حوالے سے اقوام متحدہ کے ریپوٹیئر نے کیا جس کا مقصد شہریوں پر ہونے والے ڈرون حملوں کے نتیجے میں ہونے والی اور دوسری اہدافی ہلاکتوں کے اثرات کو جانچنا ہے۔

اگرچہ اپنی خود مختاری کے حقوق کی خلاف ورزی کی بنیاد پر ڈرون حملوں کے خلاف اسلام آباد کے احتجاج میں وزن کم تھا اس لیے کہ پرویز مشرف کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے صرف ایک ڈرون حملے کی منظوری دی تھی۔ چنانچہ ہوائی بمباری کی تمام اقسام کے متاثرین کو حالیہ بحث کا موضوع ہونا چاہیے۔ اسلام آباد کے پالیسی سازوں کے لیے یہ مشورہ کارگر رہے گا کہ وہ یوکی تناکا اور میریلین بی۔ ینگ کی تالیف کردہ کتاب ''شہریوں پر بمباری'' (Bombing Civilians) میں پیش کیے گئے تھیسس (نکتۂ نظر) سے فائدہ اُٹھائیں۔ یہ تھیسس ہوائی بمباری سے شہریوں کی بلا امتیاز اور دانستہ ہلاکتوں کے بارے میں ہے جس کو ہاورڈ زِنّ نے مناسب طور پر ''جدید زمانے کا دہشت گردی کا انتہائی ہولناک واقعہ'' قرار دیا ہے۔

اسلام آباد کو اس خطرے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ شہریوں پر بمباری کے خلاف مضبوط آواز اٹھانے میں ناکامی پر شدید عوامی تنقید اور اس بمباری کے متاثرین کو معاوضہ نہ ملنے کی صورت میں حکومت کو قبائلی آبادی کی ناراضگی کا سامنا اس بنا پر کرنا پڑے گا کہ حکومت انہیں دہشت گردی کے اس عذاب سے تحفظ دینے میں ناکام رہی ہے۔

تتمّہ: تنگ نظر اور عصبیت پسند قوم پرستوں کی طرف سے سچ زیر عتاب ہے۔ جاپانی قدامت پسند اس ریٹائرڈ صحافی کو نشانہ بنا رہے ہیں جس نے دوسری جنگ عظیم کے دوران تسکین مہیا کرنے والی کوریائی خواتین کے ساتھ جاپانی فوجیوں کے جنسی تشدد سے متعلق خبر شائع کی تھی۔

بنگلہ دیش میں ایک برطانوی صحافی کو سزا دے دی گئی۔ اس پر الزام تھا کہ اس نے بنگلہ دیش کی جنگ آزادی کے دوران ہونے والی ہلاکتوں کی اس تعداد پر شبہ کا اظہار کیا تھا جو حکومت کی طرف سے جاری کی گئی تھی۔ کراچی یونیورسٹی نے ایک ممتاز بنگلہ دیشی سکالر کو دی جانے والی دعوت محض اس بنا پر منسوخ کر دی تھی کہ یونیورسٹی کے کچھ طلبا اور اساتذہ اس بنگلہ دیشی سکالر کے نام یا اس کی تحقیق کو پسند نہیں کرتے تھے۔ پاکستان کے لیے سبق یہ ہے کہ وہ پاگل پن کی اس دوڑ میں شریک نہ ہو اور اس کی بجائے عدم برداشت اور دیوانگی یا جنون کی خوفناک بیماری کا مؤثر تدارک کرے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

14 برس کی عمر میں سزائے موت

مظفر آباد پولیس نے تفتیش کے دوران تین انگلیوں کے ناخن نکال دیے۔ اتنا مارا کہ اس سے جب اس بارے میں پوچھیں تو وہ دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر رونے لگتا ہے، کہتا ہے وہ نہیں بتا سکتا بس چار ماہ تک خوب مارا۔ یہ دعویٰ ہے اغوا اور قتل کے مقدمے میں دہشت گردی کی دفعات کے تحت سزائے موت پانے والے 23 سالہ شفقت حسین کے بڑے بھائی منظور حسین کا جنھوں نے مظفر آباد میں بی بی سی سے ملاقات کی۔ بھائی سے متعلق بات کرتے ہوئے منظور کی آنکھیں بار بار نم اور بولنے کی طاقت ختم ہو جاتی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ والد کو فالج کے اٹیک کے بعد ان کی مالی معاونت کے لیے شفقت نے سکول چھوڑ کر کراچی کی راہ لی تھی۔ منظور حسین کے مطابق خط و کتابت ہی شفقت سے رابطے کا ذریعہ تھا اور ’ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں کام کر رہا ہے۔ 2004 کے آغاز پر کراچی سے آنے والے ایک شخص نے بتایا کہ آپ کا بھائی گرفتار ہو گیا ہے۔ منظور حسین کا کہنا ہے کہ وہ قرض لے کر شفقت سے ملنے مظفر آباد سے کراچی گئے۔ ’وکیل کرنے کے لیے مالی سکت نہیں تھی لیکن شفقت نے ملاقات میں یہی بتایا کہ اس نے یہ جرم نہیں کیا۔ غربت کی وجہ سے شفقت کے اہلِ خانہ دس برس میں دو بار ہی اس سے ملنے کراچی جا سکے۔ ان کے مطابق شفقت کا کہنا تھا کہ ’مجھے انصاف دلایا جائے، میں نے یہ کام نہیں کیا، میری عمر ہی نہیں کیا میں یہ کام کر سکتا ہوں؟ انھوں نے اپنی بات چیت میں شفقت کے کسی جہادی یا دہشت گرد تنظیم سے تعلق سے بھی مکمل انکار کیا اور کہا کہ ’گاؤں کیل کا لوٹ میں کسی جہادی تنظیم کا کوئی وجود نہیں، کسی جہادی تنظیم کا نام بھی نہیں ہے۔ پیار سے بابلا کہلوانے والے شفقت حسین کا نام ان افراد کی فہرست میں شامل ہے جنھیں پشاور سانحے کے بعد کسی بھی وقت سزائے موت دی جا سکتی ہے۔ انھیں کراچی میں سنہ 2004 میں ایک بچے کے اغوا اور قتل کے مقدمے میں سزا سنائی گئی تھی اور اس وقت ان کی عمر 14 برس تھی۔ اب ان کا مقدمہ لڑنے والی غیر سرکاری تنظیم جسٹس پروجیکٹ پاکستان کا کہنا ہے کہ شفقت کی کم عمری کا مسئلہ پوری سماعت کے دوران سرکاری وکیل صفائی نے اٹھایا ہی نہیں۔ تنظیم کے مطابق اس کا اقبال جرم بھی پولیس کے تشدد کا نتیجہ تھا اور شفقت کے جسم پر سگریٹ کے نشان آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس مقدمے میں انسداد دہشت گردی کی دفعات بھی لگانا زیادتی تھی۔ شفقت کی بوڑھی ماں اس کی تصویریں دیکھ کر اسے یاد کرتی ہے۔ پاکستان کے زیر انتظام کشمیر کے ضلع نیلم کے دور افتادہ کیل سیکٹر کے اس خاندان کی کہانی شاید ان سے زیادہ اس ریاست کی ناکامی کی کہانی ہے۔ فالج زدہ باپ، 80 سالہ بوڑھی ماں، چار بھائیوں اور تین بہنوں پر مشتمل اس خاندان کا کوئی مستقل ذریعہ معاش نہیں۔ روزانہ دو وقت کی روٹی کا بندوبست کرنا ہی ان کے لیے دن کا سب سے بڑا چیلنج ہوتا ہے۔ کیل سے مظفر آباد آنے کے لیے فی کس ایک ہزار روپے کرایہ درکار ہوتا ہے اور یہ خاندان اس رقم کا بندوبست نہیں کر سکتا تو ملک کے آخری کونے کراچی تک جانے کی معاشی سکت اس میں کہاں ہوگی۔ منظور حسین نے بتایا کہ کراچی کی جیل میں قید ان کے بھائی سے ملاقات کے لیے وہ دس برس میں صرف دو مرتبہ جا سکے ہیں۔ رنجیدہ والدہ اور دیگر بہن بھائیوں نے گھر کے برے حالات کی وجہ سے تنگ آ کر ایک دن دوستوں کے ساتھ ملازمت کی تلاش میں کراچی جانے والے شفقت حسین کو اس دن کے بعد سے آج تک نہیں دیکھا۔ اتنے برے معاشی حالات سے دوچار خاندان شفقت کے لیے اچھے وکیل کا بندوبست کہاں کر سکتا تھا۔ شفقت کے غریب اہلِ خانہ اس کی رہائی کے لیے دعا گو ہیں۔ رو رو کر اپنے آنکھوں کا نور کھو دینے والی ماں مخنی بیگم نے بتایا کہ اس ملاقات کے لیے انھوں نے کپڑے بھی کسی اور سے مانگ کر پہنے ہیں۔ ’میری زندگی تو جل گئی ہے۔ میں تو کب کی مر گئی ہوں۔ اپنے لال کو میں کیا اب کبھی نہیں دیکھ پاؤں گی۔ اسے کیسے بھول جاؤں؟ شفقت سے عمر میں دو سال بڑی بہن سمیرا نے بتایا کہ شفقت بہت اچھا بھائی تھا۔ ’وہ نہ کسی کو تنگ کرتا تھا نہ کوئی شرارت۔ بس تنگ دستی کا اسے بہت احساس تھا۔ اس کرب سے گزرنے والے خاندان سے ملاقات کے بعد ذہن میں یہی سوال اٹھے کہ ان کے معاشی استحکام کی ذمہ داری کس کی تھی؟ اس ملزم کا مناسب عدالتی دفاع کس کی ذمہ داری تھی؟ اگر وہ دہشت گرد تھا تو شاید ہی کوئی اس کی سزا سے اختلاف کرے لیکن نئے حقائق کے سامنے آنے کے بعد اس بات کو عدالت یا حکومت میں سے کون یقینی بنائے گا کہ کسی کو ضرورت سے زیادہ سزا نہ دی جائے۔ اس دکھی خاندان کا اب ایک ہی مطالبہ ہے کہ ان کے بھائی کا مقدمہ دوبارہ چلنا چاہیے۔ کیا یہ بہت مشکل مطالبہ ہے جو پورا نہیں کیا جا سکتا؟

(ہارون رشید بی بی سی اردو)

پولیس حراست میں ملزم کی ہلاکت

ٹوبہ ٹیک سنگھ تھانہ سٹی پولیس حراست میں ملزم کی مبینہ ہلاکت کے خلاف سینکڑوں شہریوں نے پولیس کیخلاف شدید احتجاج کیا اور ٹائر جلا کر سڑک کو بلاک کر دیا۔ مشتعل مظاہرین کی ایس ایچ او سمیت پولیس اہلکاروں سے پاتھا پائی بھی ہوئی۔ تھانہ سٹی پولیس حراست میں ملزم کی مبینہ ہلاکت کے خلاف سینکڑوں شہریوں کا ریلوے پھاٹک بند کر کے زبردست احتجاج، چوک بلاک ہونے سے روڈ بلاک ہو گئے جس کے باعث گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگ گئیں مشتعل مظاہرین نے پولیس کے خلاف زبردست نعرہ بازی کرتے ہوئے پولیس ملازمین کے ساتھ ہاتھا پائی کی۔ اس رپورٹ کے ارسال ہونے تک مظاہرین نے سڑکیں بلاک کر رکھی ہیں، اور پولیس کے ساتھ مذاکرات سے انکار کرتے ہوئے ملوث پولیس ملازمین کو حوالے کرنے کے مطالبہ پر قائم ہیں۔

(اعجاز اقبال)

ایچ آر سی پی کے کارکنان نے معروف سیاسی وسماجی کارکن سوبھو گیان چندانی کی وفات میں شرکت کی اور ان کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا

آرمی پبلک سکول پر حملے میں بچوں سمیت 151 افراد جاں بحق

حیدرآباد میں ایچ آر سی پی کے کارکنان آرمی پبلک سکول، پشاور پر طالبان کے حملے کی مذمت کرتے ہوئے

پشاور 16 دسمبر کو 10 بج کر 30 منٹ پر سوزوکی وین پر سوار 7 دہشت گرد کینٹ کے علاقے میں وارسک روڈ پر واقع آرمی پبلک سکول پہنچے۔ انہوں نے وین کو آگ لگا دی اور سکول کے ساتھ ملحق قبرستان میں داخل ہو گئے۔ دہشت گرد سکول کی عمارت میں داخل ہوئے اور طلباء پر فائرنگ شروع کر دی۔ چند چشم دید گواہوں کا کہنا ہے کہ دہشت گرد پشتو اور عربی زبان بول رہے تھے اور انہوں نے کہا'' سب کو مار ڈالو''۔ سکول میں تقریباً 1100 بچے پڑھتے تھے اور یہ آرمی پبلک سکول کا ہائی سیکشن تھا۔ سکول میں داخلے کے معیار کے مطابق نصف طلباء مسلح افواج (حاضر سروس یا ریٹائرڈ) کے خاندانوں سے لیے جاتے ہیں اور نصف عام شہریوں میں سے۔ حملے کے وقت ہائی کلاس کے طلباء آڈیٹوریم میں ابتدائی طبی امداد کی تربیت لے رہے تھے جبکہ دیگر طلباء بریک پر تھے۔ دہشت گردوں نے مختلف جماعتوں کے طلباء کو ہلاک کر دیا جن میں سے زیادہ تر کا تعلق آٹھویں، نویں اور دسویں جماعت سے تھا۔ آرمی کی کوئی رسپانس ٹیم فوری طور پر سکول پہنچی اور جنگجوؤں کے خلاف آپریشن شروع کر دیا۔ طلباء، عملے کو بچانے اور سکول میں سے جنگجوؤں کے خاتمے کے لیے آرمی کوئک سپیشل گروپ فورسز بھی سکول میں داخل ہوگئیں۔ فوج اور جنگجوؤں کے درمیان جھڑپیں شام تک جاری رہیں اور بالآخر تمام سات دہشت گردوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ زخمی اور جاں بحق ہونے والے افراد کو پشاور کے سی ایم ایچ اور لیڈی ریڈنگ ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔ لیڈی ریڈنگ ہسپتال کے ریکارڈ کے مطابق کل 76 افراد کو ہسپتال لایا گیا جن میں سے 31 جاں بحق اور 22 زخمی تھے جن میں سے 3 کی حالت تشویشناک تھی، زخمی ہونے والے 20 افراد کو بعد ازاں ڈسچارج کر دیا گیا۔ اس واقعے میں مجموعی طور پر 151 افراد جاں بحق اور تقریباً 171 زخمی ہوئے۔ جاں بحق ہونے والوں میں 126 طلباء اور عملے کے 25 افراد شامل تھے۔ واقعے کی ایف آئی آر انسداد دہشت گردی ڈیپارٹمنٹ میں درج کر لی گئی۔

(شاہد اللہ جان)

پاکستان ہندوکونسل کی افواجِ پاکستان سے موثر عسکری آپریشن کی استدعا

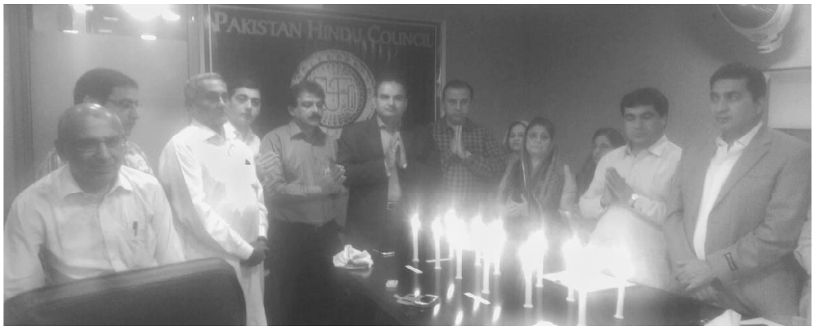

کراچی/اسلام آباد 18 دسمبر 2014ء کو پاکستان میں بسنے والی ہندو برادری کی ملک گیر نمائندہ تنظیم پاکستان ہندوکونسل نے اپنی ایگزیکٹو کمیٹی کے اجلاس میں حکومتِ پاکستان اور مسلح افواج پر زور دیا ہے کہ وہ وطن عزیز کو امن وسلامتی کا گہوارہ بنانے کے لیے بلاتفریق اور موثر عسکری آپریشن کریں تا کہ دہشت گردی کے عفریت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ تفصیلات کے مطابق حالیہ سانحہ پشاور کے تناظر میں پاکستان ہندوکونسل کی ایگزیکٹو کمیٹی کے اجلاس کی صدارت سرپرستِ اعلیٰ ڈاکٹر رمیش کمار ونکوانی نے کی جس میں صدر چیلا رام کیلوانی، نائب صدر انجینئر ہوت چند کرمانی، سیکرٹری جنرل ڈاکٹر دیپک، گوپال داس سمیت دیگر شریک ہوئے۔ اس موقع پر شرکاء نے معصوم پاکستانی جانوں کے ضیاع کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے ایک منٹ کی خاموشی اختیار کی۔ اپنے اعلامیے میں انہوں نے شہداء کے لواحقین کے غم کو پوری قوم کا مشترکہ غم قرار دیا۔ ڈاکٹر رمیش کمار نے اپنے خطاب میں ہندو برادری کی جانب سے افواجِ پاکستان کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتے ہوئے کہا کہ دہشت گردوں کے خلاف جنگ میں پوری پاکستانی قوم متحد ہے۔ بعد ازاں، پشاور میں شہید ہونے والے بچوں کی یاد میں پاکستان ہندوکونسل کے اراکین کی جانب سے شمعیں روشن کی گئیں۔

(نامہ نگار)

ایذارسانی کے خلاف بل کے مسودے پر عوامی بحث کروائی جائے

ایچ آر سی پی نے ایذارسانی کے خلاف عالمی تنظیم (World Organisation against Torture) کے تعاون سے ریاست کی جانب سے ایذارسانی کے خلاف میثاق کی تعمیل سے متعلق ایک مشاورتی اجلاس کا انعقاد کیا۔اس موقع پر شرکاء نے سفارش کی کہ ایذارسانی اور اعتراف جرم کروانے کے متشددانہ طریقوں پر قابو پانے کے لئے قانون نافذ کرنے والے اداروں اور عدلیہ کو تربیت دینے کے علاوہ تفتیش کے جدید اور سائنسی طریقے اپنانے پر زور دیا۔شرکاء نے مزید کہا کہ تفتیش اور اقبال جرم کروانے کے غیر انسانی طریق کار ترک کئے جانے چاہئیں۔اس مشاورتی اجلاس کا مقصد سول سوسائٹی کی تنظیموں، وکلاء برادری، پالیسی سازوں، ملک بھر کے انسانی حقوق کے اداروں، میڈیا اور ریاستی حکام کو متحرک کرنا اور انسداد ایذارسانی کے حوالے سے اصلاحات کے لئے سفارشات مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ سیاسی عزم پیدا کرنا تھا۔

شرکاء نے سفارش کی کہ ایذارسانی سے متاثرہ افراد کے لئے بحالی مراکز قائم کئے جائیں اور انٹیلی جنس ادارے جمہوری اداروں کے اختیار میں ہوں۔انہوں نے حکومت کو تجویز کیا کہ ایذارسانی کے خلاف ابتدائی رپورٹ کمیٹی کو پیش کرے اور شراکت داروں کے ساتھ اجلاسوں کے انعقاد کے ذریعے ریاست کے رپورٹنگ کے عمل میں سول سوسائٹی کو شریک کرے۔

شرکاء نے زور دیا کہ ایذارسانی کے خلاف بل کے مسودے پر وسیع تر عوامی حلقوں میں بحث کروائی جائے اور پہلے سے قائم شدہ قومی ادارہ برائے انسانی حقوق کو فعال بنایا جائے۔

اجلاس میں ایذارسانی کا ارتکاب کرنے والے پولیس افسروں کے احتساب کے نظام سے متعلق بھی خاصی بحث ہوئی۔اور حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ ایذارسانی کے خلاف میثاق کے اختیاری معاہدے کی توثیق کرے اور میثاق سے متعلق اپنے تمام تحفظات واپس لے۔شرکاء نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ ایک خودمختار ادارہ قائم کیا جائے جو ان پولیس افسروں سے تفتیش کرے اور ان کے خلاف قانونی کارروائی کرے جن پر ایذار سانی اور ناروا سلوک کا الزام عائد کیا گیا ہو۔اجلاس میں سفارش کی گئی کہ پارلیمنٹ میثاق کی روشنی میں ایذارسانی کو ایک جرم قرار دے اور ایذارسانی آزاد ہونے کے حق سے متعلق ایک قانون وضع کرے جس میں ایذارسانی کی واضح طور پر ایسی تعریف کی گئی ہو جو ایذارسانی کے خلاف میثاق سے مطابقت رکھتی ہو جو ایذارسانی کو جرم قرار دیتی ہو اور ایذارسانی کے متاثرہ افراد خصوصاً ایسے افراد کی دادرسی کرے جنہیں طبی اور نفسیاتی طور پر بحالی کی ضرورت ہے۔اس قانون کے تحت غیر ریاستی اداکاروں کا بھی احتساب ممکن ہونا چاہئے۔

> شرکاء نے زور دیا کہ ایذارسانی کے خلاف بل کے مسودے پر وسیع تر عوامی حلقوں میں بحث کروائی جائے اور پہلے سے قائم شدہ قومی ادارہ برائے انسانی حقوق کو فعال بنایا جائے۔

شرکاء نے گواہوں کے تحفظ کا ایکٹ وضع کرنے کا بھی مطالبہ کیا۔شرکاء نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ مشترکہ حکمت عملی کے تحت ایک وسیع تر باہمی اشتراک یا محاذ تشکیل دیا جائے جو ایذارسانی کے خلاف میثاق کے نفاذ کے لئے منظّم جدوجہد کرے۔انہوں نے طلبہ اور بالخصوص معاشرے میں وسیع پیمانے پر ایذارسانی کی مخالفت سے متعلق آگہی مہم کی ضرورت پر بھی زور دیا۔شرکاء نے ایذارسانی کے واقعات سے متعلق کوائف جمع کرنے اور ان کا تبادلہ کرنے کے طریقوں پر بھی گفتگو کی اور کہا کہ ان معاملات کی تمام سطحوں پر پیروی کے لئے قانون سازوں کی خدمات حاصل کی جائیں تاکہ ایک متحمل، روادار اور جمہوری معاشرے کا قیام عمل میں لایا جاسکے۔انہوں نے کہا کہ تین ورکنگ گروپ تشکیل دیے جائیں جن کا کام حکومت یا اقوام متحدہ اور سول سوسائٹی کو معلومات فراہم کرنا ہو جو بار کے اراکین کو آگاہی دے سکیں، اس کے علاوہ بار کونسل میں قانونی معاونت کا ایک موثر نظام قائم کیا جائے۔اس موقع پر انسانی حقوق سے متعلق سینٹ کی قائمہ کمیٹی کے چیئرمین افراسیاب خٹک نے شرکاء کو یقین دلایا کہ قائمہ کمیٹی ملک میں ایذراسانی کے خلاف میثاق کے نفاذ میں اپنا کردار ادا کرے گی۔انہوں نے ایذارسانی کے ان طریقوں کے بارے میں شرکاء کو بتایا جو اس وقت بھی ملک میں استعمال کئے جاتے ہیں۔(رپورٹ مرتب کردہ، مائرہ عمران)

(بشکریہ: دی نیوز)

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا
جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کرکے بذریعہ ڈاک روانہ کرسکتے ہیں۔حقائق اچھی طرح سے تصدیق کرکے لکھیں۔
- ہر شمارہ کی قیمت مبلغ =/5 روپیہ ہے
- سالانہ خریداروں کے لیے =/50 روپیہ ایسے خریدار پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (Human Rights Commission of Pakistan) کے نام صرف =/Rs.50 کا منی آرڈر یا ڈرافٹ (چیک قبول نہیں کیا جائے گا) ہمارے ہیڈ آفس کے پتہ پر روانہ کریں۔پتہ یہ ہے:

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

'''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے اب ویب سائٹ پر بھی موجود ہیں۔پتہ:

www.hrcp-web.org

بلوچستان کے لئے منصوبہ بندی

صوبے کی مجوزہ ترقی کے لئے حکمت عملی کتنی اچھی کیوں نہ ہو، پوشیدہ خطرات نظرانداز نہیں کئے جاسکتے

آئی۔اے۔رحمٰن

پچھلے دنوں جاری کی گئی مطبوعات کے ذریعے بلوچستان کی حکومت نے صوبے کی ترقی سے متعلق اپنے تصور کومشتہر کیا ہے تاکہ ماہرین اور عام شہری دونوں اس پر سیر حاصل بحث کریں۔مخلوط حکومت نے اس حوالے سے جو قانون سازی کی ہے، اس کے مطالعہ سے تصدیق ہوتی ہے کہ حکومت اٹھارویں ترمیم پر تیزی کے ساتھ عمل درآمد کرنے میں بے حد سنجیدہ ہے۔وفاق کی طرف سے صوبوں کو اختیارات کی منتقلی اور آئین میں نئی دفعات کو شامل کرنے کے لئے اٹھارہ قوانین منظور کئے گئے ہیں۔موخرالذکر کیٹیگری کے قابل توجہ قوانین درج ذیل ہیں:۔

1۔ دہشت گردی کے شکار شہریوں (امداد و بحالی) کا ایکٹ
2۔ لازمی تعلیمات کا ایکٹ
3۔ ابتدائی تعلیم کی سطح پر مادری زبان کا بطور لازمی اضافی مضمون کے تعارف کا ایکٹ، اور
4۔ ثقافتی ورثہ کے تحفظ کا ایکٹ

زیرعمل قوانین میں عالمی ادارہ صحت کے ویکسی نیشن کی ضروریات کی روشنی میں نئی ہیلتھ پالیسی کا نفاذ، نوعمر بچوں کی اصلاح کا نظام انصاف، بچوں کے تحفظ اور فلاح و بہبود، نجی سطح پر ساہوکاری پر پابندی، اور بزرگ شہریوں کی فلاح و بہبود کے مسودے شامل ہیں۔ایک اور سٹڈی صوبے میں سکول کی تعلیم کی صورتحال کا تجزیہ پیش کرتی ہے اور یہ وہ معاملہ ہے جس کو سرکاری مطبوعات کا حصہ نہیں بنایا جاتا۔اس سٹڈی کے مطابق چھ سے سولہ سال تک کی عمر کے ساٹھ فیصد بچے سکول نہیں جاتے جبکہ 85 فیصد طلبہ کو سرکاری سکولوں میں داخل کرایا جاتا ہے، تیس فیصد بچے ضلع خضدار اور چالیس فیصد بچے شیرانی کے مدرسوں میں پڑھتے ہیں۔ بارہ ہزار ایک سو تین سکولوں میں سے تین ہزار ایک سو چونتیس (26 فیصد) سکول بغیر چھتوں کے ہیں جبکہ چھ ہزار ایک سو چونسٹھ (50.9 فیصد) سکول ایک یا دو کمروں پر مشتمل ہیں۔ دسویں جماعت کے 8.1 فیصد طلبہ انگریزی بالکل ہی نہیں پڑھ سکتے۔

صنفی امتیاز کی شرحیں بے حد تکلیف دہ ہیں۔ 2010-11ء کے دوران پرائمری سکولوں میں بچیوں کی تعداد 40.9 فیصد، مڈل سکولوں میں 44.3 فیصد جبکہ ہائی سکولوں میں یہ شرح کم ہوکر 36.1 فیصد رہ گئی۔دوسرے علاقوں کی نسبت ضلع کوئٹہ میں لڑکیوں کی زیادہ تعداد تعلیم حاصل کرنے میں دلچسپی رکھتی ہے۔ 2008-11ء تک کے عرصے کے دوران یہاں بھی پرائمری سکولوں میں لڑکوں کی نسبت لڑکیوں کی تعداد کم تھی۔ اسی طرح 2008-09 ء کے دوران مڈل سکولوں میں بھی بچیوں کی تعداد لڑکوں کی نسبت کم تھی۔ 2009-10ء میں مڈل سکولوں میں ان کی تعداد لڑکوں کی نسبت زیادہ ہوگئی تاہم 2010-11ء میں یہ تعداد ایک بار پھر کم ہوگئی۔تاہم ہائی سکولوں میں لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کی تعداد مستقل طور پر زیادہ رہی۔ 2008-09ء کے دوران ہائی سکولوں میں لڑکیوں کی تعداد 34,638 جبکہ لڑکوں کی تعداد 26,990 تھی۔ 2009-10ء میں لڑکیوں کی تعداد 34,639 جبکہ لڑکوں کی تعداد 27,218 تھی۔ 2010-11ء میں ہائی سکولوں میں لڑکیوں کی تعداد 3,5490 جبکہ لڑکوں کی تعداد 29,144 تھی۔

بچوں کی تعلیم پر سماجی روایات، امن و امان کی صورتحال اور شہری کلچر کے اثرات کو بآسانی جانچا جاسکتا ہے۔اس کے علاوہ صوبائی حکومت کے اس فیصلے کو بھی اچھی نظر سے دیکھا جاسکتا ہے جس کے تحت وہ تعلیم کو ترجیح دینے کے علاوہ امن قائم رکھنے پر زور دیتی ہے۔وزیراعلیٰ کے پالیسی ریفارم یونٹ (سی ایم پی آر یو) نے حکومت اور یو این ڈی پی کے اشتراک سے جو انتہائی اہم تحقیقی دستاویز تیار کی ہے، وہ دراصل بلوچستان کے تمام کے 30 اضلاع میں ضلع وار دیہی آبادیوں کے نقشے ہیں۔ 233 صفحات پر مشتمل سروے میں دیئے گئے تفصیلی نقشہ جات ہر ضلع کے محل وقوع اور مالیہ ادا کرنے والے گاؤں اور ان میں دیہی آبادیوں اور ان کی انسانی آبادی کی تعداد ظاہر کرتے ہیں۔ان نقشوں پر ہر ضلع میں موجود پانی کے وسائل اور رسل و رسائل کے نظام واضح طور پر ظاہر کئے گئے ہیں۔

<u>آبادی میں آنے والی تبدیلیوں یا عرصہ بعد پیدا ہونے والی صورتحال اور دیگر تمام تر معلومات عوام کو آن لائن مہیا کرنے کے انتظامات کئے گئے ہیں۔منصوبہ سازوں، پالیسی سازوں، سیاسی طور پر متحرک افراد اور عام شہریوں کے لئے ان بنیادی معلومات کی اہمیت کو بڑھا چڑھا کر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ان معلومات کی مدد سے پانی کے وسائل اور ریل/سڑک کے مواصلاتی نظام کو ترقی دینے کی منصوبہ بندی کی جاسکتی ہے اور یہ ایک مستحکم اور سہل الحصول منصوبہ بندی ہوگی جس میں عوام کے مفاد کا خیال رکھا گیا ہوگا۔</u>

اگر ان بنیادی معلومات کو قومی زبان کے ذریعے صحیح طریقے سے عام کیا جائے تو شہری اپنے طور پر طے کرسکتے ہیں کہ ترقیاتی ترجیحات کیا ہونی چاہئیں۔اور وہ سرکاری منصوبوں کا موثر تنقیدی جائزہ لے سکتے ہیں اور یوں کثرت رائے سے ترقی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔آخری بات یہ کہ صوبائی حکومت نے بلوچستان کی ترقی اور اسی ایم پی آر یو کی تیار کردہ حکمت عملی کے ارتقائی تصور کو متعارف کروایا ہے۔ترقی کا یہ اہم پروگرام اس حقیقت سے متاثر ہوکر شروع کیا گیا ہے کہ بلوچستان کے پاس ترقی کرنے کی بے بہا قوت ہے۔ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ غربت اور ہر قسم کی محرومی کو ختم کرنے کے لئے منصوبہ بندی کرکے تمام لوگوں کو روزگار مہیا کی جائے۔

حکمت عملی متقاضی ہے کہ بنیادی ڈھانچے میں موجود کمی کو ختم اور بنیادی شعبوں کو ترقی دی جائے تاکہ ثانوی اور تیسرے درجے کے شعبوں کو مستحکم بنیادوں پر مزید فروغ دیا جاسکے۔ترجیحی طور پر جن شعبوں میں کام کرنا ضروری ہے ان میں پانی، زمین کی بیرونی سطح پر رسل و رسائل کے وسائل (سڑکیں اور پل)، توانائی (مقامی اشیاء سے حاصل کی گئی)، تعلیم اور صحت شامل ہیں۔مندرجہ ذیل پیداواری شعبوں کو ترجیح دی جانی چاہئے:۔

1۔ کم اہم فصلیں (پھل اور سبزیاں)
2۔ مال مویشی
3۔ مچھلیوں کی افزائش
4۔ جنگل بانی
5۔ کان کنی
6۔ چھوٹی اور درمیانی صنعتیں (مقامی خام مال سے تیارہ شدہ)

پروگرام چھ اقتصادی راہداریوں کی ترقی کا تصور پیش کرتا ہے۔مثال کے طور پر پہلی راہداری شمال مشرقی اضلاع پر مشتمل ہے۔یہ وہ اضلاع ہیں جو غیر ریشیدار بیش قیمت فصلیں مثلاً پھل، سبزیاں، اون اور معدنیات (کوئلہ، کرومائٹ وغیرہ) کی پیداوار کے لئے پہچانے جاتے ہیں۔اور چھٹی راہداری ساحلی علاقے پر مشتمل ہے جو مچھلیوں سے متعلقہ صنعت کے لئے بہترین جگہ ہے۔چودہ شہر/قصبے پیداواری مراکز کے طور پر شناخت کئے گئے ہیں اور حکمتِ عملی یہ طے کی گئی ہے کہ 3,509 کلومیٹر طویل قومی شاہراہ اور 2,933 کلومیٹر لمبی صوبائی ہائی وے تعمیر کی جائے گی۔

یہ مجوزہ ترقیاتی حکمتِ عملی بھلے کتنی اچھی کیوں نہ ہو اور اس کے مصنف (ڈاکٹر قیصر بنگالی) چاہے اس متاثر کن پروگرام پر بھلے کتنے ہی شاداں و فرحاں کیوں نہ ہوں، اور پندرہ لاکھ خاندانوں میں پندرہ لاکھ ملازمتیں دینے کا نعرہ کتنا بھی خوشگوار کیوں نہ ہو، ان کے راستے میں آنے والے گڑھوں کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔اس کے ترقیاتی تصور کو حقیقت کا روپ دینے یا اس میں کسی قسم کے ردوبدل کے لئے بلوچستان کو زیادہ سے زیادہ خودمختاری کی ضرورت ہوگی اور یہ ایسا حق ہے جو بلوچستان کو کبھی نہیں ملا۔ زیادہ سے زیادہ خود مختاری، امن، استحکام اور عقل وشعور رکھنے والی قیادت اور مضبوط ہاتھ، اگر یہ سب کچھ میسر ہو تو پھر مقصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔

بلوچستان کو جن چیلنجوں کا سامنا ہے وہ بہت بڑے ہیں۔ جاگیرداروں/قبائلی سرداروں کی طرف سے جمہوری تجربے پر حملے ہورہے ہیں۔ جہاں تک پاکستان کے ساتھ اپنا ناطہ توڑنے والے قوم پرستوں کا تعلق ہے تو وہ اطمینان سے بہت دور ہیں اور یہ دعویٰ احمقانہ ہوگا کہ صرف قوم پرست ہی غلطی پر ہیں۔صوبے کے معاملات میں سکیورٹی فورسز کے کردار کو حکومت کی ہدایات سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے اور یہ کام عوام کی خواہش کے مطابق کیا جانا چاہئے۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بلوچستان کے ترقیاتی مقاصد اور منصوبوں کو عوام کی تائید حاصل ہونی چاہئے۔ یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ بلوچستان کے عوام کا غربت، افلاس اور استحصال سے نجات کا خواب کس حد تک پورا ہوگا لیکن کسی بھی صورت میں اس حقیقت سے اغماض نہیں برتنا چاہئے کہ بلوچستان کے عوام کا ایک خواب ہے جس کو حقیقت میں بدلنے کے لئے انہیں لڑنا چاہئے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ روزنامہ ڈان)

انسانی حقوق کے تحفظ پر زور

ٹوبہ ٹیک سنگھ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ہیومن رائٹس کے رضا کاروں کا اجلاس ضلعی کوآرڈینیٹر اعجاز اقبال کی زیر صدارت ہوا۔ جس میں شہریوں کو انسانی حقوق کی تعلیم دینے کی مہم کے اغاز کا فیصلہ کیا گیا۔ اور متفقہ طور پر اعجاز اقبال اور آکاش اشفاق کو انسانی حقوق کی سرگرمیوں کو فروغ دینے کی ذمہ داری دی گئی۔ جس کے تحت ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں دو مختلف پروگرام کیے گئے۔ پہلے پروگرام کے تحت دو نومبر کو ٹوبہ شہر میں انسانی حقوق کے عالمی منشور کی تعیم کے لیے ایک سیمینار منعقد کیا گیا۔ پروگرام کا آغاز کرتے ہوئے ضلعی کوآرڈینیٹر جناب اعجاز اقبال نے کہا کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد اقوام متحدہ نے متفقہ طور پر انسانی حقوق کا ایک اعلامیہ جاری کیا جو کہ انسانی برابری کی بنیادوں پر مشتمل ہے۔ اور تمام ممبر مما لک کے لیے ضروری ہے کہ انسانی حقوق کے اعلامیے کے مطابق قانون سازی کی جائے۔ اس موقع پر جناب آکاش اشفاق نے کہا کہ آج ہمارا معاشرہ مذہبی انتہا پسندی کی دلدل میں تیزی سے دھنسا جا رہا ہے ہم سب کو مل کر اس انتہا پسندی کی روک تھام اور انسانی حقوق کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے موثر حکمت عملی اپنانی پڑے گی۔ اس موقع پر قائداعظم یونیورسٹی کی اسسٹنٹ پروفیسر عالیہ امیر علی نے کہا کہ پاکستان کی حکومت انسانی حقوق کے اعلامیہ پر عمل درآمد کروانے میں دلچسپی نہیں رکھتی بلکہ ایسے غیر مساوی قوانین بنائے گئے ہیں جو اقلیتوں کو دوسرے درجے کا شہری بناتے ہس۔ اس کے نتیجہ میں آج مذہبی انتہا پسندی تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے۔ اس لیے انسانی حقوق کے کارکنان کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ انسانی حقوق سے آگاہ کریں۔ اسی طرح دوسرے پروگرام کے تحت سولہ نومبر کو ٹوبہ ٹیک سنگھ کے نزدیکی قصبہ فرانسیس آباد میں انسانی حقوق کی تعلیم پر مبنی ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا۔ جس کا عنوان تھا ہمارا موجودہ تعلیمی نصاب (جایزہ) ورکشاپ کو انسانی حقوق کے مقامی کارکن احتشام دانش نے آرگنائز کیا تھا۔ پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے جناب پروفیسر فلک شیر نے انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ آج ہمیں معاشرے میں بے پناہ مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے لیکن ہمارے لیے سب سے بڑا مسئلہ مذہبی انتہا پسندی ہے جو کہ مظلوم انسانوں کے قتل عام کا سبب ہے۔ اس موقع پر پروفیسر حبیب اللہ نے انسانی حقوق کے قوانین کی تاریخ سے تفصیلی آگاہ کیا اُنہوں نے مزید کہا کہ اگر معاشرے میں سول سوسائٹی متحد ہو جائے تو آسانی سے معاشرے میں مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ اس موقع پر آکاش اشفاق نے کہا کہ مذہبی انتہا پسندی کی بنیاد ہمارے سکولوں اور مدرسوں میں پڑھایا جانے والا نفرت انگیز مواد ہے۔ ہمیں فوری طور پر اس نصاب کو تبدیل کرنے کی جدوجہد کے تیز کرنا چاہیئے تا کہ ایک پر امن اور بہتر معاشرہ وقوع پزیر ہو۔ اختتامی کلمات ادا کرتے ہوئے ورکشاپ آرگنائزر احتشام دانش نے کہا کہ انسانی حقوق کی تعلیم کا آغاز گھروں اور سکولوں کی سطح پر کیا جائے۔ اس موقع پر اُنہوں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح کے مزید پروگرام منعقد کیے جائیں۔

(اعجاز اقبال)

فائرنگ سے اے این پی کے رہنما قتل

کراچی 23 نومبر کو کراچی میں نا معلوم افراد کی فائرنگ سے عوامی نیشنل پارٹی کے مقامی رہنما ہلاک ہو گئے ہیں۔ تفصیلات کے مطابق کراچی کے علاقے اورنگی ٹاؤن میں ضلعی صدر ڈاکٹر ضیاالدین کو نامعلوم مسلح افراد نے فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا۔ ابھی تک ملزمان کا سراغ نہیں مل سکا ہے جبکہ پارٹی کی اعلیٰ قیادت نے اس واقعے کی شدید مذمت کی ہے۔ عوامی نیشنل پارٹی کے کارکن اور مقامی قیادت کراچی میں وزیر اعلیٰ ہاؤس کے سامنے احتجاج کرنے پہنچ گئے۔ مظاہرین ملزمان کی فوری گرفتاری کا مطالبہ کر رہے تھے جبکہ وزیر اعلیٰ ہاؤس کے سامنے احتجاج کے بعد پولیس اور رینجرز اہلکاروں کی اضافی نفری تعینات کی گئی۔ کراچی میں اس سے پہلے بھی عوامی نیشنل پارٹی کے کئی رہنماؤں اور کارکنوں کو ٹارگٹ کلنگ میں نشانہ بنایا گیا ہے۔ شہر میں دیگر سیاسی جماعتوں کے علاوہ مذہبی جماعتوں کے رہنما اور کارکن بھی شدت پسندی کے واقعات میں نشانہ بن چکے ہیں۔ دو دن پہلے ہی جمعے کی رات کو کراچی میں متحدہ قومی موومنٹ کی رکن سازی کیمپ پر 'کریکر' حملے کے نتیجے میں ایک درجن سے زائد افراد زخمی ہو گئے تھے۔ کراچی میں امن وامان کی صورتحال کو معمول پر لانے کے لیے گذشتہ سال ستمبر سے نیم فوجی دستے رینجرز کی قیادت میں محدود آپریشن جاری ہے جس میں سینکڑوں ملزمان کو گرفتار کرنے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

(نامہ نگار)

سندھ میں قوم پرستوں کی ہلاکتوں پر احتجاج

کراچی 9 دسمبر کو سندھ میں قوم پرست کارکنوں کی جبری گمشدگی اور تشدد شدہ لاشیں برآمد ہونے کے خلاف کراچی، حیدر آباد اور سکھر سمیت کئی شہروں میں انسانی حقوق کی تنظیموں، ادیبوں اور شاعروں نے احتجاجی مظاہرے کیے ہیں۔ کراچی میں انسانی حقوق کمیشن، سندھی ادبی سنگت، سندھ تھنکر ز فورم سمیت سول سوسائٹی کے کارکنوں نے پریس کلب سے سندھ اسمبلی تک مارچ کیا۔ مقررین نوجوانوں کی ماورائے عدالت قتل پر تحقیقات کے لیے جوڈیشل کمیشن کی تشکیل کا مطالبہ کر رہے تھے۔ سندھ میں رواں سال کے گیارہ ماہ میں 70 قوم پرست کارکنوں کی ہلاکتیں سامنے آئی ہیں، جن میں سے اکثر کئی ماہ لا پتہ رہے۔ ماضی میں اتنی تعداد میں ہلاکتوں کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔ کراچی میں احتجاج میں شریک نامور شاعرہ فہمیدہ ریاض کا کہنا تھا کہ آجکل کی سیاست بڑی پیچیدہ ہو چکی ہے، وہ سمجھتی ہیں کہ اس طرح سے لاشیں گرانے کا مقصد لوگوں میں خوف پھیلانے کی کوشش ہے تا کہ دوسرا کوئی ہمت نہ کرے یا آواز بلند نہ کرے۔ جنرل ضیا الحق کی آمریت کا سامنا کرنے والی شاعرہ فہمیدہ ریاض کا کہنا تھا کہ 1970 کی دہائی میں جب بلوچستان میں لاشیں مل رہی تھیں تو انھوں نے سندھی ادیبوں کی منتیں کی تھیں لیکن انھوں نے بلوچوں سے یکجہتی کا اظہار نہیں کیا تھا کیونکہ وہ بھٹو کا دور تھا لیکن کم سے کم اب آواز اٹھانا چاہیے۔ انسانی حقوق کمیشن کے وائس چیئر مین اسد بٹ کا کہنا تھا کہ بلوچستان میں لگنے والی آگ سندھ کے دیہاتوں میں پھیل گئی ہے، وہ فوج اور ایجنسیوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اس بار بھی جارحیت کا مقابلہ سینے سے کریں گے۔ جہاں آپ نفرت کے بیج بوتے ہیں وہاں سمجھتے ہیں کہ پیار کے پھول کھلیں گے تو یہ آپ کی بہت بڑی غلطی ہے۔ سندھی ادیب اور دانشور جامی چانڈیو کا کہنا تھا کہ سندھ میں جس انداز سے ریاستی ادارے سیاسی کارکنان کو اغوا کرتے ہیں اور ان کی مسخ شدہ لاشیں ملتی ہیں۔ یہ اکیسویں صدی میں ریاستی دہشت گردی کی بدترین شکل ہے۔ پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کا یہ بنیادی آئینی فرض ہے کہ وہ اس قسم کی ریاستی دہشت گردی کا از خود نوٹس لیں، سپریم کورٹ اور سندھ ہائی کورٹ اپنے وجود کا ثبوت دیں۔ جامی چانڈیو کا کہنا تھا کہ وفاقی حکومت کی اس معاملے پر خاموشی سندھ کے لوگوں کے لیے ایک سوال ہے کیونکہ ملک میں پارلیمانی جمہوریت کا دور ہے، اسمبلیاں موجود ہیں تمام انسانی حقوق بحال ہیں پھر سیاسی کارکنوں کی بے رحمانہ ہلاکتوں پر وفاقی حکومت کیوں خاموش ہے۔ جامی چانڈیو نے بتایا کہ امریکہ، لندن اور جنیوا میں بھی سندھی سوسائٹی کی جانب سے سیاسی کارکنوں کے قتل پر احتجاج کیے جا رہے ہیں۔ سندھ اسمبلی کی ڈپٹی سپیکر شہلا رضا نے مظاہرین سے باہر آ کر بات کی اور انہیں یقین دہانی کرائی کہ ایوان میں اس معاملے پر بات کی جائے گی۔

(بشکریہ بی بی سی اردو)

ڈسٹرکٹ کوآرڈی نیشن آفیسروں کی اکثریت معلومات مہیا کرنے پر آمادہ نہیں

انتخاب حنیف

پنجاب کے ڈسٹرکٹ کوآرڈی نیشن افسروں کی اکثریت شفافیت اور معلومات تک رسائی کے حق کے قانون کے تحت شہریوں کو معلومات فراہم کرنے پر آمادہ نہیں۔ وہ متعلقہ درخواستوں کو کسی نہ کسی بہانے سے یا تو نظرانداز کردیتے ہیں یا پھران پر کوئی نہ کوئی اعتراض لگا دیتے ہیں۔

ان میں سے زیادہ تر ڈی سی اوز نے انفارمیشن افسروں کا تقرر بھی نہیں کیا جو گزشتہ برس کے وضع کردہ قانون کی خلاف ورزی ہے۔ یہ انفارمیشن افسر ایسے لوگوں کی درخواستوں پر عمل درآمد کرانے کے پابند ہیں جو یہ جاننا چاہتے ہیں کہ مختلف معاملات کے حوالے سے حکومت کیا کر رہی ہے۔

یہ رجحان اس وقت دیکھنے میں آیا جب زاہد عبداللہ نامی شہری کی جانب سے دائر کی گئی درخواست میں ڈی سی اوز کے زیر استعمال گاڑیوں کی تفصیلات طلب کی گئیں۔ ڈی سی اوز کی طرف سے پس وپیش کے سبب پنجاب کمیشن برائے اطلاعات کو مطلوبہ تفصیلات فراہم نہ کرنے پر 18 ڈی سی اوز کو شوکاز نوٹس جاری کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

کمیشن نے مذکورہ بالا درخواست پر اعتراض کرنے والے دو ڈی سی اوز کو ہدایت جاری کرتے ہوئے قانون کی ان دفعات اور بنیادی اصولوں کا بھی حوالہ دیا جن کے تحت سرکاری حکام وہ معلومات فراہم کرنے کے پابند ہیں جن کا لوگ اپنے وسیع تر مفاد میں تقاضہ کریں۔ کمیشن نے ان دو ڈی سی اوز کے ان دلائل کو مسترد کرتے ہوئے اصول متعین کردیئے جن دلائل کو جواز بنا کر ڈی سی اوز نے معلومات فراہم کرنے سے انکار کیا تھا۔ جن ڈی سی اوز کو شوکاز نوٹس جاری کئے گئے انہوں نے درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا تھا یا کمیشن کی جانب سے طلب کی گئی وضاحت کا بھی جواب دینے میں تامل کیا تھا۔

دستیاب تفصیلات کے مطابق مسٹر عبداللہ نے اس سال جنوری میں معلومات کے حصول کے لیے درخواست بھیجی تھی۔ اور ڈی سی اوز کی جانب سے کوئی جواب موصول نہ ہونے پر تلافی کے لئے جون میں کمیشن سے رجوع کیا۔ کمیشن نے ڈی سی اوز کو نوٹس بھیجے اوران میں سے صرف دو نے جواب دیا۔ مگرانہوں نے بھی اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کو رد کیا۔

ڈی سی او رحیم یار خان نے بتایا کہ چونکہ انہیں امن وامان سے متعلق معاملات کو دیکھنا ہوتا ہے اس لیے ماضی میں ان کے زیر استعمال گاڑیوں کی لاگ بک کی معلومات مہیا کرنے سے ان کی مستقبل کی نقل وحرکت کا راز افشاء ہونے کا خطرہ ہوگا۔ ڈی سی او نے دلیل پیش کی کہ حساس نوعیت کی ذمہ داریاں سرانجام دینے والے کسی بھی افسر کی لاگ بک کی تفصیلات فراہم کرنے سے اس افسر کی سلامتی خطرے میں پڑ سکتی ہے اور سیکیورٹی کی موجودہ صورتحال میں اس کا نتیجہ کسی بھی ناخوشگوار واقعے کی صورت میں نکل سکتا ہے۔ کمیشن نے ان کی دلیل مسترد کردی اور فیصلہ دیا کہ متعلقہ قانون کی دفعہ 13 (ای) کے تحت استثنٰی طلب کرنے کے لیے محض یہ کہنا، قیاس کرنا یا اندیشہ ظاہر کرنا کافی نہیں کہ کسی فرد کی زندگی یا

یہ رجحان اس وقت دیکھنے میں آیا جب زاہد عبداللہ نامی شہری کی جانب سے دائر کی گئی۔ درخواست میں ڈی سی اوز کے زیر استعمال گاڑیوں کی تفصیلات طلب کی گئیں۔ ڈی سی اوز کی طرف سے پس وپیش کے سبب پنجاب کمیشن برائے اطلاعات کو مطلوبہ تفصیلات فراہم نہ کرنے پر **18** ڈی سی اوز کو شوکاز نوٹس جاری کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

سلامتی کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔

کمیشن نے کہا کہ جواب دہندہ ایک پرامن ضلع میں کام کر رہا ہے جہاں اس کی رہائش اور دفتر کا پتہ سب کو معلوم ہے۔ یہ بھی سب جانتے ہیں کہ وہ زیادہ سکیورٹی اور پروٹوکول کے ساتھ سرکاری گاڑیوں میں سفر کرتا اور اپنی ذمہ داریوں سے متعلق سرکاری تقریبات میں شرکت کرتا ہے۔ اس لیے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی ماضی کی نقل وحرکت کے بارے میں سب جانتے ہیں اوراس کے برعکس کسی شہادت یا سائنسی تجزیے کی عدم موجودگی میں لاگ بک کے ذریعے ایسی معلومات افشاء ہونے کا امکان نہیں جو بصورت دیگر کسی مشاہدہ کار کے علم میں نہ ہوں۔

کمیشن نے اعلان کیا کہ اگر جواب دہندہ کے پاس یہ دلیل پیش کرنے کا خاطر خواہ جواز موجود ہے کہ درخواست گزار کی جانب سے طلب کردہ دستاویز میں درج معلومات کا کوئی حصہ کسی فرد کی زندگی کے لیے خطرے کا باعث بن سکتا ہے تو وہ قانون کی دفعہ (3)13 کے تحت اور دفعہ (4)13 کے تحت ایک واضح حکم نامہ جاری کرکے اس حصے کو حذف کرسکتا ہے۔

کمیشن نے قرار دیا کہ اس قانون کی دفعہ (2)13 کے مطابق سرکاری وسائل کے ناجائز استعمال کی روک تھام کے حوالے سے مطلوبہ معلومات تک رسائی ضروری ہے۔ مزید برآں اس عمل سے نہ صرف یہ کہ عوامی احتساب کا عمل مستحکم ہوگا بلکہ حکومت پر عوامی اعتماد بھی بڑھے گا اور یہ بات کسی فرد کی جان کو لاحق ممکنہ خطرے سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

چنیوٹ کے ڈی سی او نے دلیل پیش کی کہ درخواست گزار معلومات کے حصول کے لیے خود حاضر نہیں ہوا۔ ڈی سی او چنیوٹ نے ایک اور عذر یہ پیش کیا کہ وہ درخواست گزار کو معلومات کی فراہمی پر اٹھنے والے اخراجات کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ اخراجات کا جدول تاحال جاری نہیں کیا گیا تھا اور یہ کہ وہ ماضی میں اپنے زیر استعمال گاڑیوں سے متعلق معلومات اس لیے فراہم نہیں کرسکتا تھا کیونکہ اس قانون کا اطلاق اس ریکارڈ پر نہیں ہوتا جو اس قانون کے بننے سے پہلے موجود تھا۔

ایک اور عذر یہ تھا کہ ابھی تک قانون کے ضوابط تشکیل نہیں دیئے گئے تھے لہذا ان کی غیر موجودگی میں معلومات فراہم نہیں کی جاسکتی تھیں۔ کمیشن نے واضح کیا کہ قانون کے تحت مطلوبہ معلومات کے حصول کے لئے درخواست گزار کا خود حاضر ہونا ضروری نہیں۔ وہ یہ معلومات فیکس یا ڈاک کے ذریعے بھی طلب کرسکتا ہے۔ کمیشن نے قرار دیا کہ یہ کہنا بجا ہے کہ اخراجات کا شیڈول (معلومات سے متعلق) ابھی تک جاری نہیں کیا گیا لیکن قانون کے تحت اس شیڈول کا اجراء اختیاری ہے۔ اس لیئے شیڈول جاری ہونے تک ڈی سی او اخراجات برداشت کرنے کا پابند ہے۔

کمیشن نے اعلان کیا کہ اس قانون کا اطلاق اس تمام تر ریکارڈ پر ہوتا ہے جو اس قانون کے بننے سے پہلے بھی موجود تھا چاہے یہ تین سو سال پرانا ہی کیوں نہ ہو۔ اس نے اعلان کیا کہ ضوابط کی غیر موجودگی میں بھی معلومات فراہم کی جاسکتی ہیں کیونکہ قانون میں اس حوالے سے خاطر خواہ طریق کار موجود نہیں۔ ضوابط کی غیر موجودگی میں بھی معلومات فراہم کی جاسکتی ہیں کیونکہ قانون میں اس حوالے سے خاطر خواہ طریق کار موجود نہیں۔ ضوابط کی غیر موجودگی اس قانون کے اطلاق میں رکاوٹ نہیں بنتی۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

21 اکتوبر 2014 مٹیاری: معاشرے کے غیر محفوظ طبقات کے حقوق پر مشاورتی اور ایڈوکیسی تقریب کا اہتمام

کاشتکاروں کا احتجاجی مظاہرہ

شورکوٹ تریموں سدھنائی لنک کینال سیم سے متاثرہ ہزاروں کسانوں نے 7 دسمبر کو گلے میں روٹیاں ڈال کر احتجاج کیا۔ جھنگ، ٹوبہ ٹیک سنگھ، شورکوٹ اور، پیر محل خانیوال سے آئے ہوئے ہزاروں کسانوں نے شورکوٹ ٹوبہ روڈ کئی گھنٹے تک بلاک کیے رکھا۔ کسانوں نے مطالبہ کیا کہ تریموں سدھنائی لنک کینال جسے کسانوں کے معاشی قتل کی وجہ سے قاتل نہر قرار دیا جاتا ہے اسکی فی الفور پختگی کی جائے اور 2 ارب روپے کی جو خطیر رقم مذکورہ نہر کی پختگی کیلئے متعین ہے اس سے نہر کی سیم کو روکنے کیلئے فی الفور تعمیراتی کام شروع کیا جائے۔ ممبران اسمبلی میاں رفیق اور خالد غنی نے وعدہ کیا کہ وہ اسمبلی اجلاس میں بھی اس علاقہ کے سب سے بڑے مسئلہ نہری سیم کی روک تھام اور پختگی کیلئے آواز اٹھائیں گے۔ میاں رفیق نے کہا کہ سیکرٹری اریگیشن نے اکتوبر میں کم پانی چھوڑنے کے وعدہ کو بھی پورا نہیں کیا۔ احتجاج کی وجہ سے ٹوبہ شورکوٹ ملتان روڈ ہر قسم کی ٹریفک کیلئے بلاک رہا۔ اس موقع پر چوہدری زبیر کسان نمائندہ ٹوبہ ٹیک سنگھ، چوہدری محمد سرور صدر کسان اتحاد ٹوبہ ٹیک سنگھ، مہر سارنگ نمبردار 497، حاجی رستم، چوہدری بشیر، چوہدری نصیر نے بھی احتجاج میں خطاب کرتے ہوئے مطابہ کیا کہ کسانوں پر معاشی ستم ظریفی بند کیا جائے اور کسانوں کو سیم کیوجہ سے تباہ ہونے والی فصلوں کا معاوضہ دیکر انکی فاقہ کشی دور کی جائے۔

(اعجاز اقبال)

صحافی کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا

خیرپور 6 نومبر کو خیر پور کے گاؤں گمبٹ میں نامعلوم افراد نے فائرنگ کر کے محمد جیون نامی صحافی کو قتل کر دیا۔ محمد جیون کی اہلیہ کا کہنا تھا کہ ان کی کسی کے ساتھ دشمنی نہیں ہے اور یہ کہ اس کے خاوند کو سچ لکھنے پر قتل کیا گیا۔ وقوعے کے چشم دید گواہ نیاز محمد نے بتایا کہ وقوعہ والے دن مقتول اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ موٹر سائیکل پر گمبٹ جا رہا تھا کہ راستے میں کچھ مسلح افراد نے مقتول کو گولیاں مار کر قتل کر دیا اور فرار ہو گئے۔ صحافی برادری کے نمائندے شوکت آرائیں کا کہنا ہے کہ صحافی برادری وقوعہ کی مذمت کرتی ہے اور قاتلوں کی گرفتاری کا مطالبہ کرتی ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ وقوعہ کی شفاف تحقیقات کروا کر ملزمان کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے۔ مذکورہ وقوعے کے خلاف سندھ کے متعدد شہریوں میں احتجاجی مظاہرے بھی کئے گئے۔

(عبدالمنیم ابڑو)

نوجوان کی جان لے لی

ٹوبہ ٹیک سنگھ نامعلوم افراد نے خنجر کے وار کر کے نوجوان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے نواحی گاؤں 322 ج ب (شہزادہ) کا رہائشی 20 سالہ فاروق 2 نومبر کو گوجرہ روڈ کے قریب محلّہ نور پارک میں واقع ہیلتھ کلب میں ایکسرسائز کے بعد گھر جا رہا تھا کہ گلی میں موجود موٹر سائیکل سوار افراد نے اس پر خنجروں سے حملہ کر دیا جس کے باعث فاروق شدید زخمی ہو گیا جبکہ ملزمان فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ زخمی نوجوان کو طبی امداد کیلئے ہسپتال پہنچایا گیا تاہم وہ شدید زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جاں بحق ہو گیا۔ اطلاع ملنے پر ڈی ایس پی میاں اکرم اور ایس ایچ او سٹی انسپکٹر بہادر بھٹی موقع پر پہنچ گئے۔ پولیس نے ضروری کارروائی کے بعد نعش ورثاء کے حوالے کر کے تفتیش شروع کر دی ہے۔

(اعجاز اقبال)

سیاسی کارکن کی بوری بند نعش برآمد

کراچی/ملیر ملیر کے علاقے گلشن حدید سے جئے سندھ متحدہ محاذ کے کارکن روشن بڑوہی کی گولیوں سے چھلنی بوری بند نعش برآمد ہوئی۔ روشن بڑوہی لاڑکانہ کے محلّہ رسول آباد کا رہائشی تھا اور وہ ایک نجی سکول میں کام کرتا تھا۔ اس کے والدین اور لاڑکانہ کے لوگوں نے اس کی رہائی کے لیے احتجاج بھی کیا تھا۔ مقتول کی نعش کو ایدھی سنٹر منتقل کیا گیا اور بعد ازاں ورثاء کے حوالے کر دیا گیا۔ روشن بڑوہی کے والد نے بتایا کہ چند روز پہلے ان کے بیٹے کی رہائی کے لیے بیس لاکھ روپے تاوان کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ایسا ہی ایک واقعہ اکتوبر کے پہلے ہفتے کے دوران بھی پیش آیا تھا جب ایک قوم پرست کارکن اور طالب علم شکیل خانہاڑو، جسے 5 اکتوبر کو اغواء کیا گیا تھا، کو قتل کر کے اس کی نعش کو کراچی کے علاقے ملیر کینٹ میں پھینک دیا گیا تھا۔ شکیل یونیورسٹی آف سندھ میں سوشل ورک کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ وہ جے سندھ متحدہ محاذ کے ایک ونگ جے سندھ سٹوڈنٹ فیڈریشن کے ساتھ وابستہ تھا۔

(ڈاکٹر اشوتھما)

ایذارسانی کو جرم قرار دیا جائے

پارلیمنٹ کو گواہ کے تحفظ کا قانون منظور کرنا چاہیے

اسلام آباد میں ایذا رسانی کے خلاف کانفرنس کا انعقاد

گلگت بلتستان سے تعلق رکھنے والے انسانی حقوق کے کارکن اسرار الدین نے کہا ہے کہ ملک میں انسداد دہشت گردی کے قوانین کو انسانی حقوق کے کارکنوں، سیاسی کارکنوں اور اپنے حقوق کے لیے آواز اُٹھانے والوں کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے۔

ان خیالات کا اظہار اُنہوں نے ایچ آر سی پی کی جانب سے منعقدہ ایک کانفرنس میں کیا جس کا عنوان تھا 'ایذا رسانی کے خلاف میثاق اور پاکستان: نفاذ اور جوابدہی کی جانب''۔ اسرار الدین اور دیگر 10 افراد کو انسداد دہشت گردی ایکٹ (آٹا) کو ''کالا قانون'' قرار دینے اور بابا جان کی سزا کے خلاف احتجاج کرنے پر بغاوت کے مقدمے کا سامنا ہے۔

بابا جان ایک سیاسی کارکن ہیں جنہوں نے 2010ء میں قدرتی طور پر وجود میں آنے والی عطا آباد جھیل کے باعث بے دخل ہونے والے افراد کو معاوضے کی ادائیگی کا مطالبہ کرنے کے لیے متحرک کیا۔ یہ احتجاج اس وقت تشدد کا رنگ اختیار کر گیا جب 11 اگست 2011ء کو علی آباد میں مظاہرین کو منتشر کرنے کے لیے پرتشدد ذرائع کا استعمال کیا گیا اور بعدازاں بابا جان اور دیگر چار افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔ انٹرنیشنل ہیومن رائٹس آبزرور کے گلگت بلتستان کے کوآرڈی نیٹر مسٹر محمد فاروق جنہیں بغاوت کی ایف آئی آر میں بھی نامزد کیا گیا ہے، نے کہا کہ پولیس اے ٹی اے کا غلط استعمال کر رہی ہے اور اس سے اختلاف رکھنے والوں کے خلاف مقدمات درج کر رہی ہے۔

مسٹر محمد فاروق نے ڈان کو بتایا کہ انہوں نے بابا جان کو سزا سنائے جانے کے بعد محض ایک مظاہرہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ''ہر شہری کو ایسے قوانین پر احتجاج اور تنقید کرنے کا حق حاصل ہے جو بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر مبنی ہوں''۔ لیکن پولیس نے دفعہ 124-اے کے تحت ایف آئی آر درج کی جو قانون کی ایک اور خلاف ورزی ہے کیونکہ بغاوت کا مقدمہ ایف آئی آر کی بجائے صرف عدالت میں دائر کیا جا سکتا ہے۔ اُنہوں نے بتایا کہ 18 اکتوبر 2014ء کی ایف آئی آر (جس کی نقل ڈان کے پاس موجود ہے) میں کہا گیا ہے کہ مظاہرین نے سڑک پر رکاوٹیں کھڑی کیں اور اپنی تقریروں میں اے ٹی اے پر تنقید کی۔ اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے اے ٹی اے کے خلاف ایک مہم چلانے کا اعلان کیا اور اے ٹی اے کو ''کالا قانون'' کہتے ہوئے جرم کا ارتکاب کیا۔

مسٹر فاروق نے کہا کہ مقدمہ درج کیا گیا تھا لیکن پولیس نے ایف آئی آر کی نقل فراہم کرنے سے انکار کر دیا جو کہ مظاہرین کا بنیادی حق تھا۔ دیگر شرکا کا نظریہ تھا کہ اقوام متحدہ کے ایذا رسانی کے خلاف میثاق کا من وعن نفاذ کیا جانا چاہیے جس پر پاکستان نے 2010ء میں دستخط کیے تھے۔ انسانی حقوق سے متعلق سینیٹ کی قائمہ کمیٹی کے چیئرمین افراسیاب خٹک نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''ملک میں تشدد کے متعدد واقعات منظر عام پر آئے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں تشدد سرایئت کرتا جا رہا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ سینیٹ کی قائمہ کمیٹی ایذا رسانی کے خلاف اقوام متحدہ کے میثاق کے نفاذ اور معاشرے میں تشدد کے خاتمے کے لیے اپنا کردار ادا کرے گی''۔

> ملک میں تشدد کے متعدد واقعات منظر عام پر آئے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں تشدد سرایئت کرتا جا رہا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ سینیٹ کی قائمہ کمیٹی ایذا رسانی کے خلاف اقوام متحدہ کے میثاق کے نفاذ اور معاشرے میں تشدد کے خاتمے کے لیے اپنا کردار ادا کرے گی''۔

دو روزہ مشاورتی اجلاس میں متعدد تجاویز پیش کی گئیں۔ شرکا نے تجویز دی کہ حکومت کو ایذا رسانی کے خلاف بل کے مسودے پر بحث کرنی چاہیے اور پہلے سے قائم شدہ قومی ادارہ برائے انسانی حقوق کو فعال بنانا چاہیے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ قانون نافذ کرنے والے اداروں اور عدلیہ کو تربیت اور تفتیش کے جدید اور سائنسی طریقہ کار تک رسائی فراہم کرے تاکہ تفتیش اور اقبال جرم کروانے کے غیر انسانی طریقے ترک کیے جا سکیں۔ ایذا رسانی کے متاثرین کی بحالی کے لیے مراکز قائم کیے جانے چاہئیں۔ انٹیلی جنس ادارے جمہوری اداروں کے ماتحت ہونے چاہئیں۔ انہوں نے کہا کہ آزاد ادارہ قائم کیا جائے جو ان پولیس افسروں سے تفتیش اور ان کے خلاف قانونی کارروائی کرے جن پر ایذا رسانی کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ اجلاس کے دوران پارلیمنٹ کے لیے خصوصی تجاویز پیش کی گئیں۔ ایک تجویز یہ پیش کی گئی کہ میثاق کی مطابقت میں ایذا رسانی کو ایک جرم قرار دیا جائے۔ شرکا نے سفارش کی کہ ایذا رسانی سے استثنا کے حق سے متعلق ایک بل کا مسودہ تیار کیا جائے جس میں ایذا رسانی کے خلاف بین الاقوامی میثاق کی مطابقت میں ایذا رسانی کی واضح طور پر تعریف کی جائے۔ شرکا نے تجویز دی کہ پارلیمنٹ کو گواہ کے تحفظ کا قانون بھی وضع کرنا چاہیے۔ شرکا نے سفارش کی کہ سول سوسائٹی اور میڈیا ایذا رسانی کے خلاف ایک جامع اتحاد قائم کریں اور ایک مشترکہ حکمت عملی کے تحت ایذا رسانی کے خلاف میثاق کے نفاذ کے لیے منظم جدوجہد کریں۔ میڈیا اور سول سوسائٹی کو سکولوں میں عموماً اور لوگوں کو خصوصی طور پر ایذا رسانی سے متعلق آگاہی فراہم کرنے کے لیے اقدامات کرنے چاہئیں۔ اجلاس میں میڈیا سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ خواتین اور بچوں پر تشدد سمیت تشدد کے دوسرے تمام واقعات اور دور دراز کے علاقوں میں ہونے والے پرتشدد واقعات کو منظر عام پر لائے۔ شرکا نے سفارش کی کہ حکومت، اقوام متحدہ اور سول سوسائٹی کو معلومات فراہم کرنے کے لیے تین ورکنگ گروپ تشکیل دیے جائیں۔ بار کے تمام اراکین کو بھی تربیت فراہم کی جائے اور بار میں قانونی معاونت کا ایک مؤثر نظام قائم کیا جائے۔ پولیس کے ساتھ ایذا رسانی کی ممانعت سے متعلق مشاورت کا بندوبست بھی کیا جائے۔

ایچ آر سی پی کے پراجیکٹ ڈائریکٹر وقار مصطفی نے ڈان کو بتایا کہ پاکستان نے اقوام متحدہ کے میثاق کی 2010ء میں توثیق کی تھی اور اس پر یہ لازم تھا کہ یہ ایک سال کے اندر ایذا رسانی کے خلاف اپنی کارکردگی سے متعلق رپورٹ جمع کروائے لیکن حکومت نے ابھی تک رپورٹ جمع نہیں کروائی انہوں نے مزید کہا کہ ''ایذا رسانی کے خلاف عالمی تنظیم کے اشتراک سے منعقد کردہ مشاورتی اجلاس میں ملک بھر کے لوگوں اور معاشرے کے مختلف حلقوں نے شرکت کی اور تجاویز پیش کیں۔ سفارشات تجاویز لینے کے بعد مرتب کی گئیں''۔

(انگریزی سے ترجمہ: بشکریہ ڈان)

امن وامان کیلئے حکومت کی عدم دلچسپی پر مساجد بورڈ کے نو ممبران مستعفی

گلگت گلگت بلتستان کے ممبران امامیہ مسجد بورڈ نے صوبائی حکومت اور انتظامیہ پر امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورتحال میں دلچسپی نہ لینے اور گلگت بلتستان میں مستقل قیام امن، فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور بھائی چارگی کی فضاء کے قیام میں عدم دلچسپی کے الزامات لگاتے ہوئے مسجد بورڈ امامیہ سے مستعفی ہونے کا اعلان کردیا۔ سیکریٹری داخلہ کے نام بھیجے گئے اجتماعی استعفیٰ میں کہا گیا ہے کہ صوبائی حکومت نے گلگت بلتستان اور بالخصوص گلگت شہر میں فرقہ وارانہ کشیدگی، شاہراہ قراقرم پر پیش آنے والے سانحات اور اس کے نتیجے میں بے گناہ قیمتی جانیں ضائع ہونے کے واقعات کے بعد گلگت بلتستان میں فرقہ وارانہ کشیدگی کو کم کرنے اور مستقل قیامِ امن کے لئے گلگت بلتستان قانون ساز اسمبلی میں 3 ستمبر 2012ء کو مساجد ریگولیشن ایکٹ (ActNo.VIof2012) کی منظوری کے بعد مساجد بورڈ کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ مساجد بورڈ کو یہ ذمہ داری سونپ دی گئی کہ وہ حکومت کے تعاون سے قیامِ امن اور فرقہ واریت کے خاتمے کیلئے حکومت کو مفید مشورے دے اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے جدوجہد کرے۔ مساجد بورڈ نے اس عرصے کے دوران مقاصد کے حصول کیلئے اپنی مدد آپ کے تحت دن رات محنت کی اور گلگت سمیت گردونواح میں مختلف مکاتبِ فکر کے ساتھ 17 سے زیادہ نشستیں کیں اور یہ تمام انتظامات مساجد بورڈ امامیہ نے اپنے خرچ پر کیئے۔ اس عرصے کے دوران علاقے میں پائیدار قیامِ امن کیلئے اپنا کردار ادا کیا لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ دوسری جانب حکومت، پارلیمانی کمیٹی اور انتظامیہ اس امن کیلئے مساجد بورڈ کو کوششوں سے لا تعلق رہی اور مسلسل عدم دلچسپی کا اظہار کیا۔ اجتماعی استعفےٰ میں حکومت اور انتظامیہ پر الزام لگایا گیا کہ بورڈ امامیہ نے علاقے میں امن کیلئے جو مشورے دیے نہ ہی ان پر عملدرآمد کیا گیا اور نہ ہی حالات کو خراب کرنے والوں کے خلاف کوئی کاروائی کی گئی، ہم نے حقائق حکومت کے سامنے رکھے لیکن حکومتی کمزوریوں کی وجہ سے نہ حکومت نے اور نہ ہی انتظامیہ نے ان حقائق کو جاننے کی کوشش کی، اسلئے مسجد بورڈ امامیہ نے فیصلہ کیا ہے کہ جب حکومت خطے کے امن سے متعلق مخلص ہی نہیں اور نہ ہی ہماری کوششوں کو پذیرائی مل رہی ہے تو ایسے حالات میں مسجد بورڈ میں رہنا بے کار ہے، لہٰذہ ہم ممبران امامیہ مسجد بورڈ استعفیٰ دے رہے ہیں۔ امامیہ مسجد بورڈ کے استعفیٰ دینے والے ممبران میں سید احمد علی شاہ، سید نظام الدین، شیخ ناصر زمانی، حسین علی رانا، حاجی عابد علی بیگ، وزیر مظفر عباس، شمشاد حسین، عالمگیر حسین اور سید شراف الدین شامل ہیں۔

(اسرار الدین اسرار)

22 اکتوبر 2014 ٹنڈو محمد خان: معاشرے کے غیر محفوظ طبقات کے حقوق پر مشاورتی اور ایڈووکیسی تقریب کا اہتمام

جنگ زدہ علاقوں کے صحافیوں کے لیے ٹروما سینٹر کا قیام

پشاور خیبر پختونخوا کے دارالحکومت پشاور میں جنگ زدہ علاقوں میں کام کرنے والے صحافیوں کے لیے ملک کا پہلا ٹروما سینٹر قائم کیا گیا ہے۔ اس سینٹر میں صحافیوں کو شدید ذہنی دباؤ سے بچنے اور دیگر نفسیاتی مسائل سے نمٹنے کیلیے علاج کی سہولیات فراہم کی جائیں گی۔ کومپی ٹینس اینڈ ٹروما سینٹر فار جرنلسٹس (سی ٹی سی جے) کے نام سے موسوم یہ ٹروما سینٹر شعبہ نفسیات پشاور یونیورسٹی میں کھولا گیا ہے جس کا باقاعدہ افتتاح آئندہ چند دنوں میں متوقع ہے۔ شعبہ صحافت وابلاغ عامہ پشاور یونیورسٹی اور غیر ملکی ادارے ڈی ڈبلیو اکیڈمی کے اشتراک سے قائم کردہ اس سینٹر میں جنگ سے متاثرہ علاقوں میں کام کرنے والے صحافیوں کو نفسیاتی مسائل سے آگاہی فراہم کی جائیگی۔ اس کے علاوہ انھیں شدید ذہنی تناؤ سے بچنے کیلیے مفید مشورے اور علاج معالجے کی سہولیات بھی فراہم کی جائیں گی۔ اس سلسلے میں شعبہ صحافت وابلاغ عامہ پشاور یونیورسٹی میں ایک مباحثے کا بھی اہتمام کیا گیا جس میں جرنلزم ڈیپارٹمنٹ اور شعبہ نفسیات کے اساتذہ، صحافتی تنظیموں کے نمائندوں اور اخبار نویسوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے شعبہ صحافت وابلاغ عامہ کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر الطاف اللہ خان نے کہا کہ گزشتہ تقریباً ایک دہائی سے قبائلی علاقوں اور خیبر پختونخوا میں ایک جنگ کی کیفیت ہے جس سے عام لوگوں کے ساتھ ساتھ صحافی بھی بری طرح متاثر ہوئے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ جنگ زدہ علاقوں میں دھماکوں اور تشدد کے واقعات کی کوریج کرنے والے صحافی شدید ذہنی دباؤ اور دیگر کئی قسم کے نفسیاتی مسائل سے دوچار ہو رہے ہیں۔ ان کے مطابق افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس سے پہلے کسی تنظیم کی جانب سے صحافیوں کے نفسیاتی مسائل کے حوالے سے کوئی توجہ نہیں دی گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس ٹروما سینٹر میں علاج معالجے کے سہولیات مفت فراہم کی جائیں گی۔ اس سے پہلے خطاب کرتے ہوئے شعبہ نفسیات پشاور یونیورسٹی کی چیئرپرسن ڈاکٹر ارم ارشاد نے نفسیاتی ٹروما اور ذہنی دباؤ پر روشنی ڈالی اور اس کے بروقت علاج پر زور دیا۔

(نامہ نگار)

فائرنگ سے دو افراد ہلاک

مستونگ بلوچستان کے ضلع مستونگ میں مسلح افراد نے فائرنگ کرکے دو افراد کو ہلاک کردیا۔ ولی خان چیک پوسٹ پر موجود لیویز آفیشل نے ڈان کو بتایا کہ موٹر سائیکل پر سوار نامعلوم مسلح افراد نے ضلع قلات کے علاقے منگوچر سے آنے والی گاڑی پر اندھا دھند فائرنگ کردی جس سے دونوں افراد موقع پر ہی ہلاک ہوگئے۔ لاشوں کو ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر ہسپتال مستونگ لایا گیا۔ ابھی تک کسی نے بھی واقعے کی ذمے داری قبول نہیں کی جبکہ واقعے کے پیچھے چھپے مقاصد کا علم بھی نہیں ہوسکا۔ یاد رہے کہ اس واقعے سے ایک دن قبل بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ کے علاقے عثمان روڈ پر نامعلوم افراد نے فائرنگ کرکے پانچ افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

(بشکریہ روزنامہ ڈان)

گلگت کا معاملہ اور عدم برداشت

آئی۔اے۔رحمٰن

گلگت کی عدالت نے تصدیق کی ہے کہ میڈیا کو درپیش خطرے نے وحشتناک شکل اختیار کرلی ہے

گلگت کی انسدادِ دہشت گردی کی عدالت نے میڈیا کے افراد کے خلاف حیرت انگیز اورانوکھے فیصلے میں جن معاملات کو اٹھایا ہے، حکومت کو بہرصورت ان پرتوجہ دینی چاہیئے اس لئے کہ اس معاملے میں مدعا علیہ کے قانونی حقوق سے کہیں زیادہ دوسری بہت سی چیزیں داؤ پر لگی ہوئی ہیں۔

عدالت کے فیصلے میں جنگ گروپ کے ایڈیٹران چیف، جیوٹی وی کے ایک اینکر اورٹاک شو میں بلائے گئے دومہمانوں کو ان کی عدم موجودگی میں 26 سال قیداور تیرہ لاکھ روپے جرمانے کی دی گئی سزا نے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک ذرائع ابلاغ میں کافی غصہ اوراضطراب کی کیفیت پیدا کردی ہے۔

پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز کی کونسل اورآل پاکستان نیوز پیپرزسوسائٹی نے اعلان کیا ہے کہ گلگت بلتستان میں ذرائع ابلاغ سے منسلک افراد کو دی جانے والی غیر قانونی سزا ملک بھر میں آزادیٔ صحافت کے لئے ایک بڑے خطرے سے کسی صورت کم نہیں۔''ایمنیسٹی انٹرنیشنل نے کہا ہے کہ اس فیصلے سے''پاکستان میں آزادیٔ اظہار پر انتہائی ناگوار اثرات مرتب ہوں گے''۔ فریڈیم نیٹ ورک نے بھی اسی قسم کی تشویش کا اظہار کیا ہے۔

ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مقدمہ دراصل میڈیا کی آواز کو دبانے کی ایک بے حد منظّم مہم کا حصہ ہے۔اہل بیت کے بارے میں گستاخی کے اظہار کے الزام پر ملک کے مختلف حصوں میں مدعا علیہان کے خلاف کم سے کم 75 مقدمے درج کئے گئے تھے۔ یہ سب کچھ ان دنوں میں ہوا جب جنگ گروپ کو بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے پر مختلف طریقوں سے سزا دی جارہی تھی۔ جیو چینل کو اس قسم کے معاملات سے نبٹنے والے ادارے پیمرا نے مروڑا۔ معاملے کو وہیں پر ختم ہوجانا چاہیئے تھا۔ اس کا یہ مطلب اخذ نہیں کیا جانا چاہیئے تھا کہ اس مہم کا مقصد انصاف نہیں بلکہ انتقام تھا۔

گلگت کی عدالت نے تصدیق کردی ہے کہ میڈیا کی آزادی اور درحقیقت عوام کے آزادیٔ اظہار کے حق کو درپیش خطرہ کہیں زیادہ بڑھ گیا ہے۔ظاہر ہے کہ انسانی حقوق کے تمام ادارے اس صورتحال کے باعث شدید دباؤ کا شکار ہوگئے ہیں۔ حکام اور انسانی حقوق کے لئے متحرک افراد کا یہ فرض ہے کہ وہ میڈیا کی آزادی کو درپیش چیلنج کو موثر طریقے سے ناکام بنادیں۔

مزید برآں یہ مقدمہ قانونی عمل یا قانونی طریقۂ کار کے انتہائی غلط استعمال کو بھی واضح کرتا ہے۔ پینل کوڈ کی دفعہ 298-A کے تحت اس الزام پر تین سال قید کی سزا ہے۔ تاہم اس حوالے سے یہ شق توہین رسالتؐ کے زمرے میں نہیں آتی۔ اس کے باوجود شوروغوغا کیا گیا کہ ملزم نے توہین رسالتؐ کا ارتکاب کیا تھا۔اس الزام کے لگتے ہی مدعا علیہان انصاف پر اپنا حق کھو بیٹھتے ہیں۔صرف یہی نہیں بلکہ وہ یہ حق بھی کھو بیٹھتے ہیں کہ ان کے مقدمے کی سماعت منصفانہ طور پر ہو۔انتظامیہ، ماتحت عدالتوں، وکلاء اور صحافیوں سبھی کو تشدد پر اس قسم کی اکساہٹ یا ترغیب کے خلاف چوکنا رہنے کی ضرورت ہے ورنہ ملک کو کوٹ رادھا کشن جیسے اشتعال کا سامنا کرنا پڑے گا۔

یہ بات غیر واضح ہے کہ یہ مقدمہ انسداد دہشت گردی کی عدالت میں جانا چاہیئے تھا اور کیا گلگت کی عدالت انسدادِ دہشت گردی کے ایکٹ کی دفعات کے اطلاق میں حق بجانب تھی جس کا استعمال کرکے اس نے سخت سزائیں سنائیں۔گزشتہ برسوں کے دوران انسدادِ دہشت گردی کے قانون کے ناموزوں استعمال کی شکایات میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے۔ خاص طور پر ٹریڈ یونین ورکروں اور شہری حقوق کے فعال کارکنوں کے خلاف اس کے غیر ضروری استعمال میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے اور یہ وقت ہے کہ جسٹس اینڈ لاء کمیشن اس کا جائزہ لے اوراس کے غلط استعمال کو روکنے کے طریقے تجویز کرکے ان پر عملدرآمد کو یقینی بنائے۔

سپریم کورٹ بار کے صدر سمیت متعدد ماہرین قانون نے مدعا علیہان کو دی جانے والی اس سزا پر سخت تنقید کی ہے جو ایسے الزامات پر دی گئی جنہیں کراچی کی انسداد دہشت گردی کی دو عدالتوں اور بعد میں بلوچستان کی انسداد دہشت گردی کی

> یہ بات غیر واضح ہے کہ یہ مقدمہ انسداد دہشت گردی کی عدالت میں جانا چاہیئے تھا اور کیا گلگت کی عدالت انسدادِ دہشت گردی کے ایکٹ کی دفعات کے اطلاق میں حق بجانب تھی جس کا استعمال کرکے اس نے سخت سزائیں سنائیں۔

عدالت نے مسترد کردیا تھا۔انسداد دہشت گردی کے ایکٹ کے شکاران افراد کے اس حق کو اس اصول کی روشنی میں کون تحفظ دے گا کہ کسی بھی شخص کے خلاف ایک ہی جرم پر ایک سے زائد بار مقدمہ نہیں چلایا جاسکتا؟ گلگت کی عدالت کو میڈیا کے لوگوں پر مقدمہ چلانے کا اختیار تھا یا نہیں، اس مسئلے کو تمام ماہرینِ قانون نے اٹھایا ہے۔اس کے علاوہ اس حکم کی خامی کو بھی سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے جس کے تحت گلگت کی عدالتیں کام کررہی ہیں اوراس معاملے کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔گلگت بلتستان جیسے حساس علاقے میں سنائے جانے والے اس قانونی حکم کی بنیاد پر ہی سوال اٹھائے جارہے ہیں۔اس لئے اس معاملے پر فوری طور پر انسدادی اقدام کی ضرورت ہے۔

گلگت کے اس عدالتی معاملے کو کسی بھی زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے۔ آزادیٔ صحافت کو خطرہ، قانون کے غلط استعمال، مذہبی جذبات کو مجروح کرنے والی مذموم حرکات کے بارے میں پی پی سی کی دفعات کی اشتعال انگیز خصوصیت تو اس حوالے سے انفرادی اور گروہی سطح پر عدم برداشت کی کیفیت میں ابھار پیدا ہوتا ہے۔کوئی فرد ایسے نظریات یا تصورات کو آگے نہیں بڑھا سکتا جنہیں طاقت یا عقیدے یا اخلاقیات کے رکھوالوں نے یکطرفہ طور پر برداشت کے دائرہ سے نہ صرف باہر کردیا ہو بلکہ بات چیت اور گفتگو کو بھی برداشت کے دائرے سے باہر کردیا ہو۔اسی میں پاکستان کے مصائب کی بنیادی وجہ موجود ہے۔کبھی کبھار حکام جب وہ اپنی کرسیاں بچانے میں مصروف نہ ہوں، عدم برداشت کو پاکستان کے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں لیکن انہیں یہ علم نہیں کہ اس بارے میں انہیں کیا کرنا چاہیئے اور وہ کسی بھی طرف سے ملنے والے مشورے کو بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔

مثال کے طور پر عدالت عظمٰی نے اس سال 19 جون کے فیصلے میں، جس کی ملک بھر میں بے حد تحسین کی گئی، حکومت کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اس سلسلے میں چند واضح اقدامات اٹھائے۔ عدالت نے پشاور چرچ اور غیر مسلموں کی دوسری عبادت گاہوں پر حملوں سے متعلق مقدمات کی سماعت کے دوران جو سفارشات پیش کیں ان میں سے پہلی تین سفارشات میں حکومت کو کہا گیا کہ عدم برداشت کے خلاف واضح اور طویل المدت مہم شروع کی جائے۔ پہلی سفارش میں عدالت عظمٰی نے حکومت سے کہا کہ مذہبی برداشت کو فروغ دینے کی حکمت عملی تیار کرنے کے لئے ٹاسک فورس قائم کی جائے۔

دوسری سفارش یہ تھی کہ حکومت سکول/ کالج کی سطح کے نصاب میں اصلاح کرے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ اقوام متحدہ کے اس فیصلے پر کلی طور پر عمل کیا جائے جس میں کہا گیا ہے کہ کسی بھی بچے کے ساتھ اگر عقیدے کی بنیاد پر امتیازی سلوک کیا جائے تو اس کو تحفظ مہیا کیا جائے۔ اوراس بات کو یقینی بنایا جائے کہ اس کی پرورش مفاہمت، برداشت، لوگوں کے درمیان دوستی، امن اور عالمی بھائی چارے کے ماحول میں ہو۔

اور تیسری سفارش یہ تھی کہ وفاقی حکومت ایسے اقدامات کرے کہ جن سے میڈیا پر نفرت انگیز گفتگو کو روکنے میں مدد ملے اور قصورواروں کو انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کیا جائے۔

عدالت عظمٰی کی ہدایت پر عمل کرنے کے علاوہ حکومت کو اُس بم کو بھی ناکارہ بنانے کی ضرورت کو جاننا چاہیئے تھا جس پر وہ اپنی بیوقوفی کے باعث کافی عرصے سے بیٹھی ہوئی ہے۔

آخری نکتہ:

مورٹائمر وہیلر کو، جس نے اس ملک کی تاریخ میں پانچ ہزار سال کا اضافہ کیا ہے، جب پاکستان کے مستقبل کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے ایک طالب علم کے متعلق چھپی خبر دوہرادی جس میں بتایا گیا تھا کہ میٹرک کے امتحان میں جب وہ نقل کرتے ہوئے پکڑا گیا تو اس نے چُھرا نکال لیا۔خود بتایئے کہ مورٹائمر وہیلر یا کوئی اور شخص جب پی ایچ ڈی اور ایم فل کے پاکستانی امیدواروں کی نقل کرنے کی خبر پڑھے گا تو وہ کیا کہے گا؟ ترقی؟

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

ٹیچر کو مار ڈالا

لوئر کرم ایجنسی گذشتہ دنوں اسلام آباد کے علاقے جنگ سیدہ میں نامعلوم موٹر سائیکل سواروں کی فائرنگ سے جاں بحق ہونے والی استانی کو اس کے آبائی گاؤں میں سپرد خاک کیا گیا۔ منڈا پرائمری سکول میں پڑھانے والی استانی (گ) سکول سے چھٹی کے بعد جب وہ اپنے بچوں کو لینے گئی اسی دوران وہ نامعلوم افراد کی فائرنگ کا نشانہ بن کر جاں بحق ہوگئی تھی اسے اپنے آبائی گاؤں حسین علی کلے بلیامین میں سپرد خاک کیا گیا۔

(محمد حسن)

سگ چٹی کا جرگہ

شکارپور 07 دسمبر 2014 کو ضلع شکارپور کے حدود تھانہ رستم گاؤں بورڑی سیٹھار میں امداد سیٹھا اور حلیمہ سیٹھار نے 6 ماہ قبل پسند کی شادی کی تھی جس کی وجہ سے ان کی برادریوں میں کشیدگی بڑھ گئی تھی۔ جس کا جرگہ 7 دسمبر کو عبدالغنی سیٹھار کی سرپنچی میں ہوا، جوڑی پر کاروکاری کا الزام عائد کردیا۔ پسند کی شادی کرنے والے نوجوان امداد سیٹھار پر سگ چٹی اور 4 لاکھ روپے جرمانہ عائد کیا گیا۔ سگ چٹی میں لڑکے کے چچازاد کی بیٹی 10 سالہ فضیلہ دختر حاجی میر محمد سیٹھار دی گئی، جس کا نکاح حلیمہ کے چچا شیر محمد عرف شیر سیٹھار سے کیا گیا، جرمانے کی رقم اسی وقت دی گئی، متاثرہ بچی فضیلہ کی رخصتی بھی اسی وقت کرائی گئی۔ پسند کی شادی کرنے والے امداد سیٹھار اور حلیمہ پر ساری عمر کے لئے گاؤں میں داخل ہونے پر پابندی عائد کی گئی۔ جرگے میں حاجی میر محمد سیٹھار، مینہل سیٹھار، ضمیر حسین سیٹھار، وزیر علی سیٹھار، محمد صالح شر اور منٹھار علی شر نے مشیر کے طور پر شرکت کی، ایس پی شکارپور نے جرگے کا نوٹس لیا اور گاؤں بورڑی پر چھاپہ مار کر 10 سالہ بچی فضیلہ کو تحویل میں لیا۔ تاہم ملزمان فرار ہوگئے۔ رستم تھانے پر ایس ایچ او اصغر علی سولنگی کی مدعیت میں 10 ملزمان عبدالغنی سیٹھار، شیر محمد سیٹھار، بہرام، دیدار، صالح شر، ضمیر سیٹھار، مینہل سیٹھار، نکاح کرنے والا مولوی اسداللہ مہر و دیگر کے خلاف مقدمہ درج کرلیا۔ سگ چٹی میں دی گئی 10 سالہ بچی فضیلہ سیٹھار کو عدالت میں پیش کیا گیا۔

(عبدالغفور شاکر)

طالب علم اغوا کے بعد قتل

ٹوبہ ٹیک سنگھ مقامی رہنما فیصل قذافی کا بیٹا ولید قذافی ٹوبہ ٹیک سنگھ کے نجی کالج میں فسٹ ائیر کا طالب علم تھا جو 10 دسمبر کو لاپتہ ہوگیا۔ کالج انتظامیہ اور پولیس اور اہل علاقہ کی تلاش کے بعد معلوم ہوا کے محمد ولید کے چند کلاس فیلو محلّہ حبیب گارڈن میں ایک مکان میں رہائش پذیر ہیں پولیس نے شک ہونے پر جب مکان پر چھاپہ مارا تو گھر میں موجود نوجوان سے دوران تفتیش معلوم ہوا کہ نوجوان ولید کو 10 دسمبر کو انہوں نے تاوان کی غرض سے اغوا کیا تھا اور پھر قتل کرکے اس کی نعش کو گھر میں دفن کردیا پولیس نے نوجوان ولید کے قتل کے شبہ میں ارسلان نامی نوجوان کو حراست میں لے لیا ہے جبکہ اس کے دیگر ساتھیوں کی گرفتاری کیلئے چھاپے مارے جا رہے ہیں تھانہ سٹی پولیس نے مقتول ولید کی نعش کو قبضہ میں لیکر پوسٹ مارٹم کیلئے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال منتقل کردیا ہے جہاں اس کا پوسٹ مارٹم جاری ہے۔ دوسری جانب ولید نے ورثا کا کہنا ہے کہ نوجوان کو مبینہ طور پر اغوا برائے تاوان کی غرض سے اغوا کیا گیا اور پھر اسے اس کے دوستوں نے قتل کیا۔ انہوں نے اعلی حکام سے انصاف کا مطالبہ کیا۔

(اعجاز اقبال)

کیچ سے تین تشدد زدہ لاشیں برآمد

کیچ لیویز کے ذرائع کے مطابق 30 دسمبر کو بلوچستان کے ایران سے متصل ضلع کیچ کی تحصیل مند سے تین افراد کی تشدد زدہ لاشیں ملی ہیں۔ ان کو نامعلوم افراد نے گولیاں مار کر ہلاک کیا ہے۔ حکام کے مطابق تین میں سے دو لاشوں کی شناخت ہوگئی ہے۔ ان میں سے ایک کا تعلق کیچ ہی کے علاقے دشت سے، اور دوسرے کا تحصیل مند سے ہے۔ تیسری لاش کی شناخت نہیں ہوسکی۔ لاشوں کو مقامی ہسپتال منتقل کردیا گیا ہے اور پولیس نے تفتیش شروع کردی ہے۔ محکمہ داخلہ کے ذرائع کے مطابق 2014 کے شروع سے نومبر کے وسط تک بلوچستان کے مختلف علاقوں سے 144 لاشیں ملی ہیں۔ اس کے بعد گذشتہ ڈیڑھ ماہ میں کئی لاشیں مختلف علاقوں سے ملتی رہی ہیں جس کے بعد یہاں سے ملنے والی کل لاشوں کی تعداد ڈیڑھ سو سے تجاوز کرگئی ہے۔ لاپتہ افراد کے اہلخانہ اور حقوق انسانی کی تنظیمیں الزام عائد کرتی ہیں کہ خفیہ ایجنسیاں ان واقعات میں ملوث ہیں، جب کہ دوسری جانب سکیورٹی ادارے ان الزامات کی سختی سے تردید کرتے ہیں۔

(نامہ نگار)

بجلی کی بندش کے خلاف احتجاج

کرم ایجنسی پاراچنار میں پوسٹ گریجویٹ کالج کے طلباء کا اپر کرم ایجنسی میں بجلی کی فراہمی مکمل بند ہونے کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا اور ٹل پاراچنار روڈ پر ٹائر جلا کر سڑک کو بند کردیا۔ جس کو بعدازاں مذاکرات کے بعد کھول دیا گیا۔ اپر کرم ایجنسی کو بجلی کی فراہمی مکمل طور پر بند کئے جانے کے خلاف پوسٹ گریجویٹ کالج پاراچنار کے طلباء پاراچنار کو ملک کے باقی حصوں سے ملانے والی مرکزی شاہرہ پر احتجاجی مظاہرہ کیا اور سڑک پر ٹائر جلا کر عام ٹریفک کے لئے بند کردیا گیا۔ طلباء کے مطابق پہلے ہی 16 گھنٹوں سے زائد لوڈ شیڈنگ نے لوگوں کی زندگی اجیرن بنادی ہے کہ اب اسے مکمل طور پر ہی بند کردی گئی۔ بجلی نہ ہونے کی وجہ سے انھیں پڑھائی میں دشواریوں کا سامنا ہے۔ اور اسکی فوری فراہمی کا مطالبہ کیا۔ پولیٹیکل حکام کی طلباء کے ساتھ مذاکرات کے بعد سڑک بعدازاں عام آمدرفت کے کھول دی گئی۔ اور احتجاج پرامن طور پر اختتام پذیر ہوگیا۔

(محمد حسن)

سیاسی رہنما کے قتل کے خلاف احتجاج

شہداد کوٹ 2 دسمبر کو جسقم کے رہنما واجد کے قتل کے خلاف شہریوں اور لواحقین کی طرف سے ایک احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔ مظاہرین نے ہاتھوں میں پلے کارڈز اور بینرز اٹھا رکھے تھے۔ مقتول کے والد کہا کہ اس کے بیٹے کو اٹھا کر بغیر کسی ثبوت کے بدترین تشدد کا نشانہ بنا کر قتل کردیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ ملزمان کو گرفتار قانونی کارروائی کی جائے۔

(ندیم جاوید)

کوئٹہ میں انسداد پولیو مہم ملتوی

کوئٹہ سکیورٹی خدشات کے باعث 30 دسمبر سے کوئٹہ میں شروع ہونے والی انسداد پولیو مہم ملتوی کردی گئی ہے۔ ڈان نیوز کے مطابق محکمہ صحت بلوچستان کے ذرائع نے بتایا کہ آج کوئٹہ کے مختلف نواحی علاقوں میں انسداد پولیو مہم شروع ہو رہی تھی لیکن سکیورٹی خدشات کے باعث مہم ملتوی کردی گئی ہے۔ کوئٹہ شہر کو مختلف زون میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس سے قبل سریاب میں انسداد پولیو ختم ہوگئی تھی۔ محکمہ صحت کے ذرائع کے مطابق مہم شروع کرنے کیلئے تیاریاں مکمل تھیں لیکن پیر کے روز حکام نے بتایا کہ مہم ملتوی کردی گئی ہے۔ ذرائع کے مطابق ابھی تک نئی تاریخ کا اعلان نہیں کیا گیا۔ کوئٹہ میں چھبیس نومبر کو نامعلوم ملزمان کی فائرنگ سے تین خواتین سمیت چار پولیو ورکرز جاں بحق ہوگئے تھے۔

(نامہ نگار)

دہشت گردی کے خاتمے کے لئے فرحت اللہ بابر کے چھ نکات

ایوانِ بالا یعنی سینیٹ میں حزبِ مخالف کی جماعت پاکستان پیپلز پارٹی نے پشاور میں بچوں کے سکول پر دہشت گردوں کے حملے پر ہونے والی بحث کے دوران ملک سے دہشت گردی کے عفریت کے خاتمے کے لئے چھ نکات تجویز کئے ہیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی نے چھ نکات پیش کرنے کے علاوہ لال مسجد کے امام مولانا عبدالعزیز کے خلاف اقدام کرنے کا مطالبہ بھی کیا۔ یاد رہے کہ مولانا عبدالعزیز نے اس واقعہ کی مذمت کرنے سے نہ صرف یہ کہ انکار کر دیا تھا بلکہ دہشت گردی کے اس واقعہ کی حمایت کی تھی۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے سینیٹر فرحت اللہ بابر نے جو سابق صدر اور پاکستان پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین آصف علی زرداری کے ترجمان بھی ہیں، سکول پر حملہ کے حوالے سے ہونے والی بحث میں حصہ لیتے ہوئے جو چھ نکات تجویز کئے وہ درج ذیل ہیں:۔

1۔ مولانا عبدالعزیز کو فوری طور پر لال مسجد سے نکال کر مسجد کو بازیاب کرایا جائے۔

2۔ تحریک طالبان پاکستان (ٹی ٹی پی) کو ریاست کا دشمن قرار دیا جائے اور اس کے حامیوں اور اس کی وکالت کرنے والوں کو عوام میں ننگا کرنے کے علاوہ انہیں اس واقعہ کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔

3۔ لشکرِ طیبہ (ایل ای ٹی) جیسی ممنوعہ تنظیموں کے دوبارہ فعال ہونے سے متعلق 2013ء کے قانون پر عملدرآمد کرایا جائے۔ یہ تنظیم انسانی خدمت کے نام پر دہشت گردی میں ملوث ہے۔

4۔ لکھوی کی ضمانت منسوخ کروانے کے لئے فوری کارروائی کی جائے

5۔ ممبئی حملہ سے متعلق معاملات کو طے کیا جائے۔

6۔ جہادی ڈھانچے کو مکمل طور پر ختم کیا جائے۔ افغانستان کے اندر تعاقب کی ترغیب کا شکار نہ بنا جائے۔

سینیٹر بابر نے متنبہ کیا کہ اگر ٹی ٹی پی کے خلاف جرات مندانہ اور غیر معمولی اقدامات نہ کئے گئے اور اسے روکا نہ گیا تو مستقبل کا مورخ یہ لکھنے پر مجبور ہوگا (اور خدا نہ کرے کہ ایسا ہو) کہ پاکستان مذہب کے نام پر تخلیق ہوا تھا اور مذہب کے نام پر تباہ ہوا۔ سینیٹر فرحت اللہ بابر نے کہا کہ سکول پر حملہ کرنے والے دہشت گرد اور بربریت پسند نہ تو غیر ملکی ہیں اور نہ ہی لامذہب اور بے دین اور ان کا ایجنڈا وہی ہے جو نائیجیریا کی تنظیم بوکوحرام، شام، عراق کی داعش اور کینیا کی الشباب کا ہے۔ فرحت اللہ بابر نے کہا کہ مولانا عزیز جیسے لوگ جو عسکریت پسندی اور ریاست کے خلاف تشدد کو فروغ دیتے ہیں، انہیں ننگا کیا جانا چاہئے۔ انہوں نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ ماضی کو فراموش کرتے ہوئے ہمیں دوسرے ملکوں کے اندر مداخلت کو روکنا چاہئے۔ اس لئے کہ اس سے بالآخر نقصان اپنا ہی ہوتا ہے۔ فرحت اللہ بابر نے کہا کہ "یہ ممکن نہیں کہ اپنے گھروں کے عقبی صحنوں میں سانپ رکھے جائیں اور انہیں یہ ہدایت دی جائے کہ وہ صرف ہمسایوں کو کاٹیں۔ آج ہم وہی کاٹ رہے ہیں جو گزرے کل میں ہم نے بویا تھا"

افغانستان کے اندر تعاقب کرنے کے حوالے سے فرحت اللہ بابر نے کہا کہ اس سے نہ صرف یہ کہ افغانستان کے ساتھ ہمارے بہتر ہوتے تعلقات برباد ہوجائیں گے بلکہ بھارت کو اس سے موقع مل جائے گا کہ وہ وہی کچھ ہمارے ساتھ کرے۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ دی نیشن)

مجوزہ سیڈ ایکٹ کے خلاف کسان رہنماؤں کی کانفرنس

(عذرا طلعت)

پاکستان کسان مزدور تحریک (پی کے ایم ٹی) نے 7 اور 8 دسمبر کو لاہور میں اپنا سالانہ اجلاس منعقد کیا۔ اجلاس کا موضوع تھا "بیج کی برتری، کارپوریٹ سامراج سے چھٹکارا، مقامی بیج پر انحصار" تھا۔ ابتدائی خطاب میں گرین (GRAIN) کے سابق رکن ولادی رویرا نے کہا کہ: "غذا اور آب و ہوا کے بحران کا سبب عدم مساوات پر مبنی عالمی غذائی نظام ہے۔ بھوک اور ناقص غذائیت کا سبب پیداوار کے بنیادی ذرائع تک رسائی کا فقدان ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ پاکستان میں مجوزہ سیڈ ایکٹ متعارف کروانے میں بیج کے شراکتی کاروبار کے شعبے کا اہم کردار ہے۔ اس شراکتی کاروبار میں مونسانٹو، پائنیر اور سنجنٹا جیسی کمپنیاں شامل ہیں۔ ان کمپنیوں نے حکومت پاکستان سے ملک میں جین یافتہ مکئی اور کپاس متعارف کرانے کی درخواست کی ہے۔ انہوں نے کسانوں کی طرف سے اور کسانوں کے لیے "بیج انقلاب" کی ضرورت پر زور دیا۔ دیگر مقررین میں روٹس فار ایکوٹی کی رکن عذرا طلعت سید، پی کے ایم ٹی کے نیشنل کوآرڈینیٹر راجہ مجیب، پی کے ایم ٹی کے صوبائی کوآرڈینیٹر طارق محمود، اور روٹس فار ایکوٹی کے رکن ولی حیدر شامل تھے۔ طارق محمود کا کہنا تھا کہ یورپی ممالک اور روس جین یافتہ بیج مسترد کر چکے ہیں جبکہ حال ہی میں چین نے بھی جین یافتہ چاول اور مکئی کو اپنانے کی فصل کاشت کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس کے نتیجے میں یو ایس ایڈ اور یو ایس ڈی اے کی طرف سے جنوبی ایشیاء کے ممالک پر دباؤ بڑھ گیا ہے کہ وہ بیجوں، فصلوں اور غذاؤں کو قبول کریں۔ پی کے ایم ٹی کے رکن ولی حیدر نے بیج پالیسی اور مجوزہ ترمیم شدہ سیڈ ایکٹ 2014ء کی تاریخ پر روشنی ڈالی جس کا بنیادی مقصد ڈبلیو ٹی او اور ٹی آر آئی پی کے معاہدے پر عملدرآمد کرنا ہے۔ سیڈ ایکٹ کے ذریعے بیجوں کی پیداوار پر کسانوں کا اختیار ختم ہوجائے گا جس کے نتیجے میں بیجوں پر بیج کے شراکتی کاروبار کے شعبے کی مکمل اجارہ داری قائم ہوجائے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نئے جینیاتی بیجوں کی وجہ سے بھوک اور غذائی عدم تحفظ میں اضافہ ہوگا۔ روٹس فار ایکوٹی کے رکن راجا مجیب نے اس بات پر زور دیا کہ چھوٹے اور بے زمین کسان زراعت، بالخصوص بیج پر کاروباری کمپنیوں کے تسلط کے خلاف مزاحمت کریں۔ ان کے مطابق پی کے ایم ٹی یہ سمجھتی ہے کہ مجوزہ سیڈ ایکٹ صریحاً سامراج کا مسلط کردہ ہے۔ اگر ہم پاکستان کے لوگوں کے لیے غذائی پیداوار میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں، اپنے محنت کشوں کو معقول روزگار فراہم کرنا چاہتے ہیں تو پھر جو پہلا کام ہمیں کرنا چاہئے وہ ہے ملک میں زمین کی منصفانہ تقسیم۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بیج کے چناؤ کے اختیار کو بنیادی اصول بناتے ہوئے روایتی بیجوں کا استعمال اور افزائش ایک بہترین راہِ عمل ہوگی۔

پی کے ایم ٹی کی مختلف تنظیموں سے تعلق رکھنے والے کسان قائدین رشید، اصغر اور حفیظہ سمیت دیگر نے نہ صرف اپنی روزمرہ کی مشکلات کا ذکر کیا بلکہ زراعت، بالخصوص بیج پر کاروباری کمپنیوں کے تسلط کے خلاف اپنی مزاحمت کے بارے میں بھی آگاہ کیا۔

پی کے ایم ٹے سے وابستہ کسانوں نے پہلی مرتبہ بہت سے روایتی بیجوں کی نمائش کی جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔

پی کے ایم ٹی نے مجوزہ ترمیم شدہ سیڈ ایکٹ 2014ء کے خلاف 7 دسمبر کو لاہور پریس کلب کے سامنے مظاہرہ بھی کیا۔ ان کا بنیادی مطالبہ یہ تھا کہ مجوزہ سیڈ ایکٹ کا نفاذ کو داخلِ دفتر کر دیا جائے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ روٹس فار ایکوٹی)

طالبہ کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا

لیہ 27-11-2014 کو شامیر ملک نامی شخص نے بذریعہ ای میل ملتان ایچ آر سی پی ٹاسک فورس کو اطلاع دی کہ ڈسٹرکٹ لیہ کے تھانہ کوٹ سلطان میں عائشہ سیف نامی لڑکی جو کہ بی اے کی طالبہ ہے اُسے سراج احمد، اکبر، عمر اور عامر نے زبردستی اغواء کر کے جنسی تشدد کا نشانہ بنایا اور اس کی برہنہ تصاویر اور ویڈیو بنا کر علاقہ میں فروخت کی ہے۔ یہ بھی اطلاع ملی کہ مقامی ایم پی اے مہر اعجاز اچلانہ اور خالد محمود بزمی وکیل اور ایس ایچ او تھانہ کوٹ سلطان فدا حسین گاڈی نے پنچائیت میں عائشہ سیف کے والد سیف اللہ جو خالد محمود بزمی کا ڈرائیور ہے اُسے مبلغ -/2,50,000 روپے دے کر اُس سے صلح نامہ تحریر کرا لیا۔ جب مختلف سماجی تنظیموں نے اس وقوعہ کی بابت احتجاج کیا اور ذرائع ابلاغ میں وقوعہ کی بابت رپورٹنگ ہوئی تو حکام بالا اور وزیر اعلیٰ پنجاب نے فی الفور ملزمان کے خلاف مقدمہ درج کرنے اور انہیں گرفتار کرنے کے احکامات جاری کیے۔

03 دسمبر 2014ء کو ایچ آر سی پی ملتان ٹاسک فورس نے کوٹ سلطان میں جنسی تشدد کے واقعہ پر تین رکنی فیکٹ فائنڈنگ ٹیم تشکیل دی جس نے واقعے کے متعلق معلومات اکٹھا کیں۔

متاثرہ لڑکی کا پولیس کو دیا گیا بیان:۔

متاثرہ عائشہ سیف دختر سیف اللہ بی اے کی طالبہ ہے۔ اس کے پولیس کو دیئے گئے بیان کے مطابق تقریباً 15/20 یوم قبل وہ اپنے گھر سے تقریباً 8 بجے دن اپنے چچا کے گھر جا رہی تھی۔ جب سیلائم پبلک سکول والی گلی پہنچی تو وہاں ایک سفید رنگ کی کار کھڑی تھی۔ اُس کا ایک گیٹ کھلا ہوا تھا وہ جونہی کار کے نزدیک سے گزری تو سراج احمد ولد فقیر محمد نے ایک دم سامنے آ کر اسے دھکا دے کر کار کے اندر ڈال دیا۔ لڑکی نے شور کیا تو سراج احمد نے پسٹل نکال لیا اور اسے خاموش رہنے ورنہ جان سے مارنے کی دھمکی دی۔ وہ خوف کے مارے خاموش رہی۔ کار کے اندر محمد عمر ولد غلام قاسم اور دیگر دو نامعلوم افراد پہلے سے موجود تھے۔ وہ اسے ایک نامعلوم مکان کے اندر لے گئے اور کمرے میں بند کر دیا۔ سراج احمد اور ایک نامعلوم نوجوان نے اسے اجتماعی جنسی تشدد کا نشانہ بنایا۔ اور ویڈیو فلم بھی بنائی۔ تاہم محمد عمر نے اسے جنسی تشدد کا نشانہ نہیں بنایا تھا۔ اور ایک درمیانے قد کا نامعلوم شخص انہیں ایسا کرنے سے روکتا رہا۔ بعد ازاں ملزمان نے اسے والدین یا پولیس کو وقوعے سے باخبر نہ کرنے کو کہا بصورت دیگر ویڈیو فلم سب کو دکھانے کی دھمکی چنانچہ وہ شرم اور خوف کے مارے خاموش رہی۔ جس روز اسے پتہ چلا کہ ملزمان نے اس کی ویڈیو فلم بہت سے لوگوں کو دے دی ہے تو اس نے اپنے والد اور چچا امیر کو وقوعے کے بارے میں مطلع کیا۔

پولیس کا موقف

سپیشل ٹاسک فورس ملتان کی فیکٹ فائنڈنگ ٹیم سب سے پہلے تھانہ کوٹ سلطان پولیس کا موقف جاننے کے لیے پہنچی۔ تھانے میں موجود محرر نے بتایا کہ ایس ایچ او فدا حسین اور تفتیشی آفیسر تھانہ موجود نہیں ہیں۔ مقدمہ درج ہو چکا ہے۔ FIR نمبر 269/14 بجرم 376-ii/292/365B ت پ کے تحت ملزمان گرفتار ہو چکے ہیں۔ ایس ایچ او اور تفتیشی آفیسر ملزمان کا ریمانڈ حاصل کرنے کے لیے علاقہ مجسٹریٹ صاحب کی عدالت لے گئے ہیں۔ تحقیقاتی ٹیم تھانہ کوٹ سلطان سے ضلع کچہری لیہ پہنچی مگر علاقہ پولیس ملزمان کا جسمانی ریمانڈ علاقہ مجسٹریٹ سے لے کر واپس تھانہ روانہ ہو چکی تھی۔ جس کے بعد تحقیقاتی ٹیم نے ایس ایس پی انویسٹی گیشن نذر عباس سے ملنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے ملنے سے انکار کر دیا۔

متاثرہ لڑکی کا موقف

فیکٹ فائنڈنگ ٹیم لیہ سے کوٹ سلطان متاثرہ لڑکی عائشہ سیف کے گھر پہنچی تو مسماۃ عائشہ سیف اپنے والد سیف اللہ اور چچا امیر محمد کے ہمراہ اپنے گھر میں موجود تھی ٹیم میں شامل عاصمہ خان اور حمیرا مقبول نے پہلے عائشہ سیف سے بات چیت شروع کی تو عائشہ سیف نے ٹیم کو بتلایا کہ عامر، عمر، اکبر اور سراج نے اسے جنسی تشدد کا نشانہ بنایا، تصاویر اور ویڈیو بنائی۔

لڑکی کے والد کا موقف

سیف اللہ جو کہ عائشہ سیف کا والد ہے اس نے ٹیم کو بتایا کہ وہ خالد محمود بزمی ایڈووکیٹ کے پاس 30/35 سال سے بطور ڈرائیور ملازمت کر رہا ہے۔ جب اس کی بیٹی عائشہ سیف نے اسے وقوعہ کے متعلق بتایا تو اس نے بزمی صاحب سے مشورہ کیا اور پھر بزمی صاحب نے ہی مقدمہ درج کروایا۔ اس کی بیٹی عائشہ سیف بی اے کی طالبہ ہے اور ایک پرائیویٹ سکول میں ٹیچنگ بھی کرتی تھی۔ ان کے ساتھ ظلم ہوا ہے اور وہ ملزمان کے خلاف قانونی کارروائی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ملزمان کو سزا دی جائے تاکہ وہ آئندہ کسی کی بیٹی کے ساتھ ایسا نہ کر سکیں۔

علاقہ کے سماجی کارکن کا موقف

اللہ نواز سرگانی نے بتایا کہ وہ کوٹ سلطان میں رہتا ہے اور سماجی ورکر ہے اس نے جب مذکورہ فلم دیکھی تو علاقہ کے سماجی کارکنان اور صحافیوں کو وقوعہ کے متعلق آگاہ کیا اور اگلے روز وقوعہ کے خلاف احتجاج کیا۔ پھر FIR درج ہوئی اور ملزمان گرفتار ہوئے۔ اس نے مزید بتایا کہ 29-11-2014 کو بوقت 8/30 بجے رات دو موٹر سائیکلوں پر سوار چار افراد نے اس کے گھر کے سامنے کھڑے ہو کر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی اور اسے قتل کرنے کی دھمکیاں دیتے رہے۔ قاری شاہد اقبال جو مسجد سے واپس آ رہے تھے نے ملزمان کو فائرنگ کرتے ہوئے دیکھا تو اس نے فوراً ایس ایچ او فدا حسین تھانہ کوٹ سلطان کو ملزمان کے خلاف تحریری درخواست دی جس پر ابھی تک ایس ایچ او نے مقدمہ درج نہیں کیا۔

مشاہدات

1۔ حالات و واقعات کے مطابق پولیس اور مقامی ایم پی اے ملزمان کی مکمل حمایت کر رہے ہیں۔ ایف آئی آر احتجاجی مظاہروں، ذرائع ابلاغ اور سماجی کارکنان کے دباؤ پر درج ہوئی اور ملزمان گرفتار ہوئے۔

2۔ یہ بات بھی مشاہدہ میں آئی کہ مقامی ایم پی اے نے فریقین کے درمیان مبلغ -/2,50,000 روپے میں راضی نامہ تحریر کرا دیا تھا۔ جس پر والد عائشہ سیف نے دستخط اور نشان انگوٹھا ثبت کر دیئے تھے۔ دستاویز راضی نامہ فیکٹ فائنڈنگ ٹیم کو نہ مل سکی۔ راضی نامہ کی تائید عائشہ سیف کی وکیل نزاہت یاسمین نے کی لیکن راضی نامہ کی دستاویز کے متعلق لاعلمی کا اظہار کیا۔

3۔ صلح کے متعلق عائشہ سیف کے والد نے فیکٹ فائنڈنگ ٹیم کے سامنے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ وہ صلح نہیں کریں گے۔

4۔ یہ بات بھی مشاہدہ میں آئی کہ وقوعہ کے خلاف سماجی کارکن اللہ نواز نے احتجاج کیا۔ اس کے گھر پر فائرنگ کرنے والے ملزمان پر FIR درج نہ ہونا اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ملزمان بااثر ہیں اور ان کو مقامی سیاستدانوں اور علاقہ پولیس کی مکمل حمایت حاصل ہے۔

5۔ مشاہدہ میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ عائشہ سیف اور اس کا والد سیف اللہ بوجہ غربت سیاستدانوں اور پولیس کے دباؤ کا شکار ہیں۔

سفارشات

1۔ عائشہ سیف اور اس کے خاندان کو تحفظ فراہم کیا جائے۔

2۔ مقدمہ کی غیر جانبدارانہ تفتیش کرائی جائے۔

3۔ تمام ثبوت و شہادتیں جن کو تفتیشی آفیسر منظر عام پر نہیں لا رہا ان کو تفتیش کا حصہ بنایا جائے۔

4۔ اللہ نواز سرگانہ کا مقدمہ اُس کی درخواست کے مطابق فی الفور درج کیا جائے اور نامزد ملزمان کو فی الفور گرفتار کر کے قانونی سزا دی جائے۔

فیکٹ فائنڈنگ ٹیم میں راقم کے علاوہ عاصمہ خان ایڈووکیٹ اور حمیرا مقبول شامل تھے۔

انسانی حقوق کا عالمی دن

تربت/مکران پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) اسپیشل ٹاسک فورس تربت مکران کے زیر اہتمام حقوق انسانی کے عالمی دن پر 10 دسمبر 2014ء کو مقامی ہوٹل کے ہال میں سیمینار منعقد کیا گیا جس میں مرد و خواتین شرکاء کی ایک بڑی تعداد موجود تھی ۔ سیمینار کے آغاز میں اوسیس اسکول گوادر کے پرنسپل زاہد بلوچ کی شہادت پر ایک منٹ کی خاموشی اختیار کی گئی جس کے بعد پروگرام کا باقاعدہ آغاز کیا گیا۔ ایچ آر سی پی ٹاسک فورس کے کوارڈینیٹر پروفیسر غنی پرواز نے سیمینار میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انسانی حقوق کا تصور انسانوں کی تاریخ جتنا قدیم ہے لیکن اس کا واضح تصور 6 ہزار سال قبل غلامانہ نظام کے ارتقاء کے ساتھ شروع ہوا جب جاگیرداروں نے دہکان اور غلاموں پر جبر و تشدد کا آغاز کیا۔ انسانی سماج میں جب تشدد کا عنصر شامل ہوا تو مظلوم طبقات نے اس کے خلاف جدوجہد شروع کی جو مختلف سماج میں مختلف طریقوں سے کی گئی۔ انصاف کے حصول کے لیئے جدوجہد کہیں انفرادی تو کہیں اجتماعی شکل میں وقوع پزیر ہوئی مگر مظلوم طبقوں نے اپنی بقاء اور سلامتی کے کیے تشدد کے باجود جدوجہد نہیں چھوڑ۔ اسپارٹکس، سقراط جیسے انسان بقائے انسانیت کے لیئے جدوجہد کی علامت بن گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں انسانی حقوق کی پامالی سنگین صورت اختیار کرتی جارہی ہے بالخصوص بلوچستان میں گزشتہ چند سالوں سے جبری اغواء، تشدد اور مسخ شدہ لاشوں نے تشدد کو ایک بھیانک اور مکروہ شکل میں جنم دیا ہے۔ اس وقت بلوچستان میں پانی، بجلی، گیس، صحت اور دیگر بنیادی حقوق کے ساتھ ساتھ جبری اغواء ، پرائیوٹ تعلیمی اداروں کے خلاف انتہا پسندی اور مسخ لاشیں سب سے بڑے مسائل ہیں۔ حالیہ دنوں پرائیوٹ اسکولوں کے خلاف تشدد اور اساتذہ کو ٹارگٹ کرنے کے عمل میں جس پیمانے پر تیزی لائی گئی ہے وہ سماج میں فکری ارتقاء اور ترقی پزیر سوچ کو جمود میں ڈالنے کی ایک گہری سازش ہے جس کے لیئے مذہب کو بطور آلہ استعمال کیا جارہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مکران ڈویژن کے اضلاع کیچ، پنجگور اور گوادر میں پرائیوٹ اسکولوں اور اس سے وابستہ اساتذہ کو تشدد کے ذریعے خائف کر کے بلوچ سماج کو علمی حوالے سے تباہی کی طرف دھکیلا جارہا ہے جس کی روک تھام میں ریاست اور اس کے ادارے مکمل طور پر ناکام ہو چکے ہیں جو باعث تشویش ہے اور اس سے یہ گماں تقویت پارہا ہے کہ اس کے پیچھے خود ریاست کی پوشیدہ قوتیں شامل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بلوچستان کے بعد سندھ میں جبری گمشدگیوں اور مسخ لاشوں کا سلسلہ شروع کردیا گیا ہے جو باعث تشویش ہے۔ ریاست اور اس کے قانون کے محافظ اداروں کو ان کی روک تھام کرنی چاہیے ۔ سیمینار سے دانشور بشیر احمد نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بڑی طاقتوں نے ہمیشہ اپنے رعب اور طاقت کے زور پر مظلوم اور چھوٹے طبقات کو یرغمال بنایا ہے۔ انسانی سماج میں ظالم اور مظلوم کا تصور قدیم ہے لیکن جدوجہد کی تاریخ بھی طویل ہے۔ انسانی حقوق کے تحفظ کا نعرہ لگا کر دنیا میں کئی تنظیمیں اور جماعتیں بنائی گئیں مگر حق کا حصول آج بھی ایک خواب ہے۔ دنیا کی ایک بہت بڑی آبادی بنیادی حقوق سے یکسر محروم ہے البتہ جدوجہد اور ارتقاء کا سفر کبھی نہیں رکا۔ متشدد تحریکیں کبھی اسلام کے نام اور کبھی دوسرے ناموں اور نعروں کے ساتھ سامنے آئیں لیکن جدوجہد کرنے والوں نے ان کا ہمیشہ سامنا کیا۔ آج بھی داعش جیسی فرسودہ خیالات پر مبنی تنظیمیں موجود ہیں جو انسانی سماج کو ملیامیٹ کرنے پر تلی ہیں۔ اصل میں دیکھنا چاہیے کہ ان کے پیچھے کون سی طاقتیں کھڑی ہیں جنہیں مالی معاونت دے کر انسانی سماج کو اپنی غلامی پر مجبور کیا جارہا ہے۔ اپنے مفادات کے حصول کے لیئے طاقت ور دنیا کی چالیں ہمیشہ

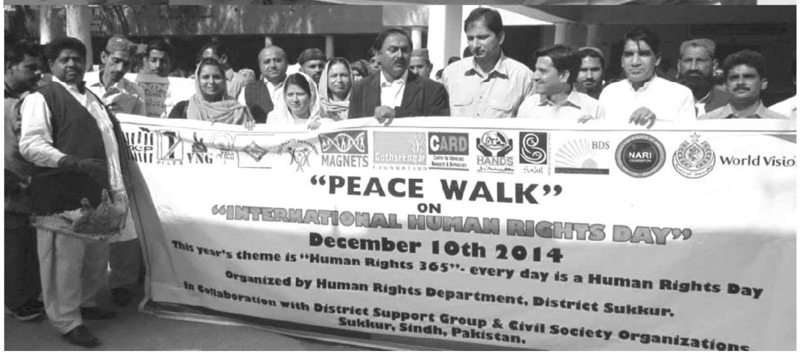

مظلوم اقوام کی تباہی ثابت ہوئی ہیں۔صحافی اور قلم کار طارق مسعود نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ لوگوں کو بنیادی حقوق کے متعلق آگاہی دینا ضروری ہے۔ ہزاروں لوگ آج بھی اپنے حقوق اور حقوق کے حصول کے لیئے مروجہ طریقہ کار سے واقف نہیں ہیں ہمیں چاہیے کہ سماج کو شعور سے ہم آہنگ کرائیں تاکہ لوگ اپنے حقوق کے لیئے سہاروں کے بجائے خود کھڑے ہو جائیں۔معروف سماجی شخصیت سنگین گچکی نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ انسانی حقوق کا عالمی دن مظلوم طبقات کے حقوق کو اجاگر کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ہم جہاں انسانوں کو حقوق دینے کی بات کرتے ہیں وہیں۔آج بھی ہر معاشرے میں ظلم کا شکار ہے۔ان کو کہ روشن خیال معاشرہ ہے لیکن یہاں بھی تعلیم کے حوالے سے جو صورتحال عورتوں کو درپیش ہے وہ غیر مناسب ہے۔سیمینار سے کیچ بار کے رہنما مجید دشتی ایڈوکیٹ اور ایچ آر سی پی کے کارکن پروین نور نے بھی خطاب کیا جبکہ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض ایچ آر سی پی کے کارکن اسداللہ بلوچ نے انجام دیئے۔سیمینار کے آخر میں متفقہ طور پر چار قرار دادیں منظور کی گئیں جن میں اویسس اسکول کے پرنسپل زاہد آسکانی کو شہید کرنے کی شدید مذمت ، بلوچستان میں لاپتہ افراد کی فوری با حفاظت بازیابی ،سندھ میں جبری اغواء اور تشدد زدہ لاشوں کی برامدگی کے علاوہ مکران میں پارٹی بنیاد پر نوکریوں کی تقسیم پر تشویش ظاہر کی گئی۔

(اسداللہ بلوچ)

شہداد کوٹ 10 دسمبر کو ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے کورگروپ، ایچ آر سی پی ممبران اور سول سوسائٹی کی تنظیموں کی طرف سے ایک پروگرام منعقد کیا گیا۔ پروگرام میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے سماجی رہنما افتخار حسین منگی نے کہا کہ انسانی حقوق کے بغیر پرامن معاشرے کی تعبیر ناممکن ہے۔ اس موقع پر ایچ آر سی پی کورگروپ کے ندیم جاوید منگی نے کہا کہ ملک میں اور خاص طور پر سندھ اور بلوچستان میں سیاسی ورکروں کی ملنے والی نعشیں ملک میں افراتفری پیدا کر رہی ہیں۔اس سے سندھ اور بلوچستان میں احساس محرومی پیدا ہو رہا ہے۔انہوں نے انسانی حقوق کی جدوجہد کو جاری رکھنے کا عزم کرتے ہوئے سول سوسائٹی کی تنظیموں سے انسانی حقوق کی جدوجہد کو جاری رکھنے پر زور دیا۔ اس موقع پر پروگرام میں انجمن آراء، سائرہ خان، وقار حیدر منگی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ایچ آر سی پی کی طرف سے انسانی حقوق کی اصلاح کے لئے ہونے والی جدوجہد پر ایچ آر سی پی کے تمام ساتھیوں کو خراج تحسین پیش کیا۔ اس موقع پر انسانی زنجیر بنا کر انسانی حقوق سب کے لئے، سیاسی ورکروں کا ماورائی عدالت قتل بند کرو جیسے نعرے درج لگائے گئے۔

(ندیم جاوید)

چمن 10 دسمبر کو پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ضلعی کورگروپ چمن کے زیراہتمام انسانی حقوق کے عالمی دن کی مناسبت سے گورنمنٹ ڈگری کالج چمن کے ہال میں ایک سیمینار کا انعقاد کیا۔تقریب سے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ضلعی کورگروپ چمن کے ڈسٹرکٹ کوآرڈینیٹر محمد صدیق شمشاد، فرید نثار ایڈووکیٹ، غلام محمد مخلص، فضل محمد کاکوزئی، شمس اللہ کاکڑ، شیر محمد سلیمان خیل اور شبیر احمد اچکزئی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج کا دن انسانی حقوق کا عالمی

> جنگ عظیم دوئم میں بڑی تعداد میں قتل عام کے بعد لوگوں نے سوچا کہ ان کو ایک ایسے ادارے کی ضرورت ہے جو کہ دنیا میں قتل عام اور ظلم وزیادتیاں روک سکے۔ جس پر اقوام متحدہ کا قیام ممکن ہوا۔اقوام متحدہ کے قیام کے بعد ممبر ممالک نے انسانی حقوق کے متعدد معاہدوں پر دستخط کیئے۔جن کا مقصد دنیا بھر میں امن کے قیام اور بھائی چارے کی فضاء کو قائم رکھنا ہے۔

دن ہے۔ جہاں انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے اس کی مذمت کی جانی چاہیئے۔ انسانی حقوق کے تحفظ سے انسانی معاشرہ محفوظ اور خوشحال بنایا جاسکتا ہے۔ورنہ انسانی حقوق کے پامالی سے انسانی معاشرہ جنگلی ماحول بنتا جائے گا۔اسلام میں حقوق انسانی پر زور دیا گیا ہے۔اسلام کی رُو سے اگر انسان تمام زندگی عبادت میں گزارے لیکن حقوق العباد ضائع کرتا رہے تو انسان خسارے میں ہے۔ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم انسانی حقوق کا تحفظ کریں۔مقررین نے مزید کہا کہ انسانی حقوق کے تحفظ ہی سے انسانی معاشرہ خوشحال اور محفوظ بنایا جاسکتا ہے۔ جہاں انسانی حقوق پامال ہوں وہاں امن اور خوشحالی کی بجائے بدامنی اور نفرت کی فضاء اور خوف کی فضاء بنے ہوتے ہیں۔انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے ہم سب کو مل کر کام کرنا چاہیئے۔

(محمد صدیق)

پسنی 10 دسمبر کو انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقع پر پسنی میں ایچ آر سی پی کے کارکنوں کی خصوصی نشست کا انعقاد کیا گیا جس میں کارکنوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ایچ آر سی پی کے تحصیل کوآرڈینیٹر غلام یاسین نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج کے دن کی بڑی اہمیت ہے۔ جنگ عظیم دوئم میں بڑی تعداد میں قتل عام کے بعد لوگوں نے سوچا کہ ان کو ایک ایسے ادارے کی ضرورت ہے جو کہ دنیا میں قتل عام اور ظلم وزیادتیاں روک سکے۔جس پر اقوام متحدہ کا قیام ممکن ہوا۔ اقوام متحدہ کے قیام کے بعد ممبر ممالک نے انسانی حقوق کے متعدد معاہدوں پر دستخط کیئے۔جن کا مقصد دنیا بھر میں امن کے قیام اور بھائی چارے کی فضاء کو قائم رکھنا ہے۔انہوں نے کہا کہ ہم سب کو بطور انسانی حقوق کے کارکن کی حیثیت سے تمام انسانوں کے بنیادی حقوق کے لئے جدوجہد کرنی چاہیئے۔لوگوں میں شعور اجاگر کرنا ہے کہ تمام انسان برابر ہیں اور سب کو یکساں طور پر حقوق ملنے چاہئیں۔انہوں نے مزید کہا کہ آج کے دن کی مناسبت سے حکمرانوں کو چاہیئے کہ وہ اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے کیئے گئے تمام معاہدات پر فوری طور پر عملدرآمد کو یقینی بنائیں تاکہ دنیا بھر کی مہذب قوموں میں ہمارا نام بھی شامل ہو۔اس موقع پر شرکاء نے کہا کہ افسوس ناک امر یہ ہے کہ بلوچستان میں اب بھی انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں باقاعدگی سے ہو رہی ہیں۔انہوں نے گوادر میں پرائیویٹ سکول پرنسپل زاہد آسکانی کے قتل کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ حکومت فوری طور پر قاتلوں کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزادیں۔اساتذہ کی جان و مال کا تحفظ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ بلوچستان میں پے درپے اساتذہ اور سکولوں پر حملے سے بلوچستان میں انتہا پسندی میں اضافہ ہوگا۔گوادر میں پرنسپل کے قتل کے بعد اساتذہ اور دیگر محروم طبقہ میں خوف وہراس پھیل رہا ہے۔

(غلام یاسین)

نصیر آباد 10 دسمبر کو انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقع پر ڈیرہ مراد جمالی میں ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی جانب سے ریلی نکالی گئی۔ ریلی کی قیادت ایچ آر سی پی کے ضلعی کوآرڈینیٹر علی احمد بلوچ کر رہے تھے۔ ریلی کے شرکاء نے ہاتھوں میں پلے کارڈ اور بینرز اٹھا رکھے تھے جس پر انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف نعرے درج تھے۔مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے علی احمد بلوچ، باز محمد، منیر احمد عمرانی سمیت دیگر نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ دنیا بھر میں انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف احتجاج کیئے جاتے ہیں اور ان کے تحفظ پر زور دیا جاتا ہے۔ ملک بھر کی طرح بلوچستان میں بھی انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں مسلسل جاری ہیں۔انہوں نے کہا کہ لوکل گورنمنٹ نصیر آباد کے آفیسر معراج عمرانی اور ان کے بچوں کا قتل انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی ہے۔ایک ماہ گزرنے کے باوجود قاتل ابھی تک گرفتار نہیں ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ آج کا دن ہمارے لئے ایک پیغام ہے کہ ہم انسانی حقوق کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ریلی میں معذور افراد نے بھی شرکت کی اور اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے آواز بلند کی۔

(علی احمد)

عورتیں

بم دھماکے میں خاتون جاں بحق

باجوڑایجنسی 4 دسمبر کو باجوڑ ایجنسی کی تحصیل ناواگی کے سرحدی علاقے کرکنی میں سڑک کنارے ریموٹ کنٹرول بم دھماکے کے نتیجے میں ایک خاتون موقع پر جاں بحق ہوگئی جبکہ دو افراد شدید زخمی ہوگئے جنہیں علاج کے لیے ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ سکیورٹی فورسز نے سرچ آپریشن شروع کر دیا ہے۔

(شاہد حبیب)

بیوی کی جان لے لی

آواران ضلع آواران کے علاقے گیشکور میں 23 نومبر 2014ء کو رسول بخش نے معمولی بات پر طیش میں آ کر اپنی بیوی فضیلہ کو کلہاڑیوں سے وار کر کے جان سے مار ڈالا۔ لیویز نے بروقت کارروائی کر کے قاتل رسول بخش کو گرفتار کر لیا ہے۔ (نامہ نگار)

بیوی کو جان سے مار ڈالا

جعفرآباد باغ ہیڈ تھانہ کی حد چھوان چوک پر سیاہ کاری کے الزام میں گلاب خان نے اپنی بیوی عظیم خاتون اور حبیب اللہ کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا اور خود فرار ہوگیا۔ پولیس نے عظیم خاتون کے والد کی فریاد پر مقدمہ درج کر لیا ہے لیکن گرفتاری عمل میں نہیں آ سکی۔ پولیس نے نعشوں کے پوسٹ مارٹم کروا کے ورثاء کے حوالے کر دی ہیں۔ (نامہ نگار)

خاتون کو مبینہ زمینی تنازعہ پر قتل کر دیا گیا

سوات سوات کے علاقہ مٹہ کے گاؤں بالاسور میں مبینہ ملزمان تاج محمد، تاجر پسران شیر عالم خان او عقل مند، شہریاں خان اور پائندہ نے فائرنگ کر کے سکینہ کو قتل کر دیا۔ ملزمان جائے وقوعہ سے فرار ہوگئے۔ پولیس کے مطابق مقتولہ اور ملزمان کے مابین زمین کے بارے میں تنازعہ تھا۔

(نامہ نگار)

خواتین کے حقوق کے تحفظ پر زور

ملتان جسٹس اینڈ پیس کمیشن ملتان کے زیر اہتمام دو روزہ قومی تربیتی ورکشاپ کا انعقاد 2-3 دسمبر 2014ء کو نیشنل آفس ملتان میں کیا گیا جس کا موضوع ''حقوق نسواں کی فراہمی، گھریلو اور معاشرتی تشدد میں کمی'' تھا۔ اس تربیتی ورکشاپ میں 22 شرکاء نے لاہور، فیصل آباد اور ملتان ریجنل آفیسز سے شرکت کی۔ تربیت کاروں میں محترمہ عائشہ رشید (جنرل سیکرٹری ویمن ڈویلپمنٹ آرگنائزیشن)، ایڈووکیٹ محترمہ رانی برکت (لاء آفیسر ویمن کرائسز سنٹر وہاڑی)، نعیم ہارون (کوآرڈینیٹر جے پی سی)، عمانوئیل عاصی (کوآرڈینیٹر جے پی سی)، مس حفصیباہ افتخار (پراجیکٹ اسسٹنٹ) شامل تھے۔ سہولت کاری کے فرائض محترمہ حفصیباہ افتخار اور مس الزبتھ فرزند نے ادا کئے۔ ورکشاپ کا افتتاح کرتے ہوئے فادر اختر نوید اوپی (چیئرپرسن جسٹس اینڈ پیس ملتان) نے کہا کہ پاکستان میں آبادی کا 52 فیصد خواتین پر مشتمل ہے اس کے باوجود خواتین اپنے حقوق سے محروم ہیں۔ یہی نہیں بلکہ گھریلو اور معاشرتی تشدد کا بھی شکار ہیں۔ ایسے حالات میں ہم امید کا نشان ہیں۔ ہمارا منشور حقوق کی پاسداری اور احترام انسانیت ہے جن کی بدولت ہی ہم معاشرے کو پرامن بنا سکتے ہیں۔ نعیم ہارون نے CEDAW اور انسانی حقوق پر بات چیت کی اور کہا کہ خواتین کے لئے اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے یہ معاہدہ وجود میں آیا جو دنیا کی آدھی آبادی یعنی عورتوں کو انسانی حقوق کے دائرہ کار میں لاتا ہے۔ جس میں معاشی مساوات، مردوزن کی برابری، عورتوں کی فروخت پر قانون سازی، ووٹ کا حق، عالمی سطح پر نمائندگی، تعلیم، روزگار، اجرت، ترقیاتی کاموں میں خواتین کی شمولیت، قرضہ سکیموں میں شمولیت، صحت، کاروبار، خرید و فروخت، شادی وغیرہ شامل ہے۔ محترمہ حفصیباہ افتخار نے تشدد کی اقسام، وجوہات اور اس کے اثرات پر بات چیت کی۔ انہوں نے کہا کہ تشدد جسمانی، نفسیاتی، جذباتی، جنسی اور زبانی ہوتا ہے جس کا شکار خواتین ہوتی ہیں اور اس کے اثرات نہ صرف خواتین پر بلکہ بچوں پر بھی پڑتے ہیں۔ جس کی وجہ ہماری فرسودہ رسومات، کم آمدنی، کمزور عدالتی نظام اور مذہبی قدامت پسندی ہے۔ محترمہ عائشہ رشید نے خواتین کے حقوق کے حصول کے لئے موجودہ فورمز پر بات چیت کی۔ انہوں نے کہا کہ خواتین اپنے حقوق کے حصول کے لئے مختلف اداروں سے مدد لے سکتی ہیں جن میں سرکاری اور غیر سرکاری تنظیمیں شامل ہیں۔ عمانوئیل عاصی نے رضاکاری تربیت دیتے ہوئے کہا کہ یہ عمل رضاکار اپنی آزاد مرضی سے بے لوث، بلا معاوضہ کرتا ہے۔ یہ ایک شراکتی عمل ہے جو آزاد انسان ہی کر سکتا ہے۔ جس کا مقصد نیکی اور بھلائی ہے۔ محترمہ رانی برکت نے خواتین کے تحفظ میں بننے والے قوانین جن میں ویمن پروٹیکشن ایکٹ 2006ء، جنسی ہراسانی کا ایکٹ 2010ء، تیزاب گردی کا ایکٹ 2012ء اور گھریلو تشدد کا ایکٹ 2013-13ء کے ساتھ ساتھ کم عمری کی شادی کا ایکٹ 1929ء، وراثت کا حق اور غیرت کے نام پر قتل 2004ء پر بھی بات چیت کی۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ یہ تمام ایکٹ پرانے قوانین میں ترامیم کے بعد وجود میں آئے جن میں خواتین کے حقوق موجود تھے مگر ابہام بھی پائے جاتے ہیں جن میں ضابطہ فوجداری، ضابطہ دیوانی، عائلی قوانین، سول قوانین، تعزیراتِ پاکستان، صارفین ایکٹ، سیاسی حقوق، نیشنل پالیسی فار ڈویلپمنٹ اینڈ ایمپاورمنٹ آف ویمن اور سیڈا پر بات کی۔ ورکشاپ کے آخر میں فادر اختر نوید اوپی نے تمام شرکاء میں اسناد تقسیم کیں۔ انہوں نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اس تربیتی ورکشاپ کا مقصد خواتین کو ان کے حقوق اور ان کے تحفظ پر مبنی قوانین کو متعارف کروانا اور ایسی مہارتیں پہنچانا ہے جن سے خواتین باشعور ہوں اور اپنے علاقوں اور کمیونٹی میں جا کر اس کا پرچار کریں۔

(الزبتھ فرزند، کوآرڈینیٹر ویمن ڈیسک، جسٹس اینڈ پیس کمیشن پاکستان)

لڑکی اور لڑکے پر تشدد

عمرکوٹ 14 نومبر کو عمرکوٹ کے رہائشی ساگر لطیف اور سعیدہ گھر سے بھاگ کر میرپور خاص بس ٹرمینل کے مسافر خانے میں چھپے ہوئے تھے کہ لڑکی کے رشتہ داروں نے ان کو ڈھونڈ لیا اور لڑکی اور لڑکے کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ پولیس نے موقع پر پہنچ کر دونوں کو چھڑوا کر اپنی تحویل میں لے لیا۔ پولیس نے دونوں کو عدالت پیش کرنے کے بجائے ان کے لواحقین کے حوالے کر دیا۔ پولیس کے مطابق ساگر اور سعیدہ نے پہلے ہی عدالت میں پسند کی شادی کی ہے۔ لیکن دونوں کے ورثاء نے تھانے میں آ کر ضمانت دی کہ وہ دونوں کی شادی اپنے رسوم و رواج کے مطابق کروائیں گے اور انہیں ہنسی خوشی ایک دوسرے کے ساتھ رہنے دیا جائے گا۔ اس ضمانتی شرط پر دونوں کو ورثاء کے حوالے کیا گیا۔

(اوکھول)

اقلیتیں

لڑکی کی بازیابی کے لیے ہندو برادری کا احتجاج

حیدر آباد میگھواڑی برادری سے تعلق رکھنے والی لڑکی کی مذہب کی جبری تبدیلی کے خلاف اور اس کی بازیابی کے لئے حیدرآباد میں احتجاج کا سلسلہ جاری رہا۔ پاکستان تحریک انصاف منارٹی ونگ، سول سوسائٹی اور ہندو برادری نے علیحدہ علیحدہ حیدرآباد پریس کلب کے سامنے مظاہرے کئے۔ احتجاج میں شامل نریندر کمار، دیوان، مہیش کمار، پنل ساریو، ویرجی کولہی ودیگر نے کہا کہ چند روز قبل گھوٹکی کے علاقے ڈھرکی میں میگھواڑ برادری سے تعلق رکھنے والی بارہ سالہ انجلی میگھواڑ کو اغواء کر کے زبردستی اس کا مذہب تبدیل کروایا گیا اور پھر اس کی شادی کروادی۔ اب اغواء کاروں کی جانب سے انجلی کے اہل خانہ کو سنگین نتائج کی دھمکیاں دی جارہی ہیں۔ جس کے باعث اس کے اہل خانہ ذہنی اذیت سے دوچار ہیں۔ انہوں نے اعلیٰ حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ انجلی میگھواڑ کو بازیاب کروایا جائے۔ آل پاکستان واپڈا ہائیڈرو الیکٹرک ورکرز یونین کے مرکزی صدر عبداللطیف نظامانی نے کوٹ رادھا کشن واقعے اور ڈہرکی میں بارہ سالہ ہندو لڑکی کو اغواء کر کے زبردستی شادی کی سخت مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ایسے واقعات نہ صرف پاکستان بلکہ مسلم دنیا کے چہرے کو خراب اور جگ ہنسائی کا باعث ہیں۔ وہ لیبر ہال میں واپڈا کے مختلف دفاتر کے اقلیتی ملازمین سے گفتگو کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں چاہئے کہ اپنے عمل و کردار سے ثابت کریں کہ ہمارا مذہب ایک سچا اور حقیقی مذہب ہے۔ انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اقلیتوں کو تحفظ فراہم کیا جائے۔

(لالہ عبدالحلیم)

کوٹ رادھا کشن کیس، 68 افراد پر فرد جرم عائد

لاہور لاہور کی انسداد دہشت گردی عدالت نے کوٹ رادھا کشن میں مسیحی جوڑے کی ہلاکت کے مقدمے میں 68 ملزموں پر فرد جرم عائد کردی ہے، تاہم ملزمان نے صحت جرم سے انکار کیا ہے۔ 24 دسمبر کو لاہور کی انسداد دہشت گردی عدالت میں 68 ملزمان کو پیش کیا گیا۔ عدالت نے ملزمان سے استفسار کیا کہ کیا وہ تفتیشی افسر کی رپورٹ سے اتفاق کرتے ہیں جس میں انہیں ہلاکت کا ذمہ دار بتایا گیا ہے۔ تمام ملزمان نے صحت جرم سے انکار کیا۔ اس پر عدالت نے دو جنوری کو سرکاری گواہان کو عدالت میں پیش ہونے کا حکم دیا۔ گواہوں کے بیانات کے بعد جرح اور دلائل کا عمل مکمل کر کے عدالت کی جانب سے فیصلہ سنایا جائے گا۔ مقدمے کی سماعت دو جنوری تک ملتوی کردی گئی ہے۔ یاد رہے کہ تقریباً دو ماہ پہلے پنجاب کے ضلع قصور کے نواحی علاقے کوٹ رادھا کشن میں ایک مشتعل ہجوم نے قرآن کی مبینہ بے حرمتی کے الزام پر اینٹوں کے بھٹے پر کام کرنے والے ایک مسیحی میاں بیوی کو قتل کردیا تھا۔ شمع اور شہزاد مسیح کو ہجوم نے تشدد کرنے کے بعد بھٹے میں جلا دیا تھا۔ گذشتہ سماعت کے دوران تفتیشی افسر کی جانب سے مقدمے کا چالان عدالت میں پیش کیا گیا تھا۔ تحریری رپورٹ میں تفتیشی افسر نے 68 ملزمان کو قصوروار ٹھہرایا تھا۔ تفتیشی افسر نے عدالت کو یہ بھی بتایا تھا کہ بھٹے کا مالک بھی مسیحی جوڑے کی ہلاکت میں ملوث ہے۔ توہینِ مذہب کے نام پر ملک میں کئی افراد کو قتل کیا جاچکا ہے، جن میں زیادہ تعداد اقلیتوں کی ہے۔ پاکستان کے قانون کے مطابق اس جرم پر موت کی سزا دی جاسکتی ہے، لیکن بہت سے واقعات میں مشتعل ہجوم بنا تحقیق ہی ملزمان کو موقعے پر ہلاک کردیتا ہے۔

(شمائلہ جعفر بی بی سی اردو)

ہندو لڑکی کو اغواء کرلیا گیا

عمرکوٹ 19 نومبر کو ایچ آر سی پی کے ضلعی کور گروپ عمرکوٹ کو اطلاع ملی کہ تحصیل سامارو کی یونین کونسل سامارو کے گوٹھ کمال خان کیپری سے ایک 14 سالہ ہندو لڑکی رجو کو اغواء کرلیا گیا۔ ایچ آر سی پی کور گروپ عمرکٹ کی ٹیم کو مغویہ کے والد روپو اور بھائی کرشن کولہی نے بتایا کہ وہ کئی برسوں سے گوٹھ کمال خان کیپری میں رہائش پذیر ہیں اور زمیندار فتح محمد کیپری کے پاس بطور ہاری کام کرتے ہیں۔ 19 نومبر کو رجو کے سوا سب اپنے اپنے کام پر چلے گئے۔ موقع کی غنیمت پا کر محلّہ دار لالو کی بیوی رجو کو بلا کر اپنے گھر لے گئی۔ جب انہوں نے مذکورہ گھر جا کر خاتون سے پوچھ گچھ کی تو پتہ چلا کہ رستم نے لڑکی کو زبردستی اٹھایا اور کار میں ڈال کر اغواء کر کے لے گئے۔ سامارو پولیس نے لڑکی کے والد روپو کولہی کی درخواست پر رستم، عبدالرحمان، لالو اور ایک نامعلوم جوابدار کے خلاف مقدمہ درج کرلیا ہے۔ سامار پولیس نے مختلف مقامات پر چھاپے مار کر رستم کے والد چنیر کیپری اور عبدالرحمان کو گرفتار کرلیا ہے۔ متاثرین نے گوٹھ سے احتجاجی ریلی نکالی جس میں درجنوں افراد نے شرکت کی اور دھرنا دیا۔ 22 نومبر کو رجو کولہی رستم کیپری کے ہمراہ سامارو تھانے پہنچی۔ پولیس نے لڑکی کو جوڈیشل مجسٹریٹ و سول جج سامارو کی عدالت میں پیش کیا۔ اس موقع پر لڑکی نے عدالت کو بتایا کہ وہ اپنی مرضی سے گھر سے بھاگی تھی اور مذہب تبدیل کرنے کے بعد رستم کیپری سے پسند کی شادی کی۔ لڑکی کے والد نے کہا کہ اسے اغواء کر کے زبردستی مذہب تبدیل کر کے اس کے ساتھ شادی کی ہے۔ اور اس کی بیٹی ابھی نابالغ ہے۔ جبکہ لڑکی کے بیان کے مطابق اس کی عمر 20 برس ہے۔ اور اس نے اپنی مرضی سے پسند کی شادی کی ہے۔ عدالت نے لڑکی کو دارالامان منتقل کرنے اور ہسپتال سے میڈیکل چیک اپ کرانے اور عمر کا سٹرٹیفکیٹ لینے اور رستم کیپری کو چودہ دنوں کے لیے جوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیجنے کا حکم دیا۔

(اوکھومل)

احمدی نوجوان کو قتل کردیا گیا

گوجرانوالہ 29 دسمبر کو صوبہ پنجاب کے شہر گوجرانوالہ میں نامعلوم افراد نے ایک 27 سالہ احمدی نوجوان لقمان احمد کو گولیاں مار کر ہلاک کردیا۔ مقامی ڈی ایس پی مرزا روحیل صابر نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ 'لقمان احمد علی الصبح اپنے ڈیرے پر جارہے تھے کہ کھیتوں کے درمیان کسی نے انہیں انتہائی قریب سے گولی مار کر ہلاک کردیا۔ ڈی ایس پی کے مطابق یہ واقعہ بھڑی شاہ رحمن کے علاقے میں تھانہ کوٹ لدھا کی حدود میں پیش آیا اور بظاہر اس نوجوان کی کسی سے دشمنی نہیں تھی۔ ڈی ایس پی نے اس بات کی تصدیق کی کہ قتل ہونے والے شخص کا تعلق احمدیہ برادری سے تھا۔ جماعت احمدیہ کے ترجمان سلیم الدین نے بی بی سی کو بتایا کہ 'اس واقعے کے پیچھے بھی نفرت اور شدت پسندی کا عنصر نمایاں ہے اور یہاں بھی اس قتل سے چند دن پہلے مخالفین نے مقامی طور پر جلسہ کر کے جماعت احمدیہ کے خلاف سخت الفاظ استعمال کیے تھے۔ یاد رہے کہ گجرانوالہ ہی میں اسی سال احمدیوں کے گھروں کو آگ لگا کر 2 کمسن بچیوں اور ایک بزرگ احمدی خاتون کو ایک پرتشدد ہجوم نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا جس کے مقدمے میں بھی ابھی تک کسی ایک فرد کو اس جرم میں گرفتار نہیں کیا گیا۔

(نامہ نگار)

قانون نافذ کرنے والے ادارے

دو پولیس اہلکار ہلاک

بونیر صوبہ خیبر پختونخوا کے ضلع بونیر میں پولیس حکام کے مطابق نامعلوم افراد نے دو پولیس اہلکاروں کو اس وقت گولیاں مار کر ہلاک کر دیا جب وہ ڈیوٹی کے لیے جا رہے تھے۔ بی بی سی کے نامہ نگار انور شاہ نے بتایا کہ تھانہ پیر بابا کے ایس ایچ او شیر ولی خان نے بی بی سی کو بتایا کہ دونوں پولیس اہلکاروں کو اتوار کے دن سپیشل ڈیوٹی کے لیے بلایا گیا تھا۔ اتوار کی شام وہ واپس ایلم کی پہاڑی کے قریب واقع پولیس سٹیشن اگارت کی جانب جا رہے تھے کہ نامعلوم دہشت گردوں نے انھیں قتل کر دیا۔ دونوں پولیس اہلکاروں دین محمد اور عثمان کی لاشیں پوسٹ مارٹم کے لیے ڈگر ہسپتال منتقل کر دی گئی ہیں۔ پولیس کے مطابق علاقے میں سرچ آپریشن شروع کر دیا گیا ہے تاہم آخری اطلاعات تک گرفتاری عمل میں نہیں آسکی ہے۔ خیال رہے کہ بونیر کا یہ علاقہ ماضی میں عسکریت پسندوں کا گڑھ رہا ہے اور امن کی بحالی کے بعد بھی یہاں تخریبی کاروائیاں ہوتی رہی ہیں۔ اس علاقے میں سکیورٹی فورسز کی طرف سے وقتاً فوقتاً سرچ آپریشن بھی کیے گئے ہیں۔ اس واقعے کے بعد علاقے میں خوف کی فضا ہے اور لوگ تشویش کا اظہار کر رہے ہیں۔

(انور شاہ بی بی سی اردو)

تعلیم

پرائمری سکول کے قیام کا مطالبہ

باجوڑ ایجنسی باجوڑ ایجنسی کی تحصیل سالارزئی کا علاقہ ملا سید جس کی آبادی پندرہ سو گھرانوں پر مشتمل ہے، گرلز پرائمری سکول نہ ہونے کی وجہ سے یہاں کی بچیاں تعلیم جیسے بنیادی حق سے محروم چلی آ رہی ہیں۔ اہلیان علاقہ نے گورنر خیبر پختونخوا، پولیٹیکل ایجنٹ باجوڑ ایجنسی اور محکمہ تعلیم کے اعلیٰ حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ ملا سید میں گورنمنٹ گرلز پرائمری سکول کا قیام عمل میں لایا جائے تاکہ یہاں کی بچیاں زیور تعلیم سے آراستہ ہو سکیں۔

(شاہد حبیب)

بلوچستان سے مزید آٹھ نعشیں برآمد

کوئٹہ صوبہ بلوچستان کے ضلع سنجاوی اور پشین میں 21 دسمبر کو آٹھ افراد کی گولیوں سے چھلنی لاشیں ملیں جس کے بعد بلوچستان سے تین روز کے دوران ملنے والی لاشوں کی تعداد 15 ہوگئی۔ یاد رہے کہ جمعہ کو سنجاوی سے سات افراد کی لاشیں ملی تھیں جنہیں گولیاں مار کر قتل کیا گیا تھا۔ لیویز حکام کے مطابق مقامی لوگوں کی اطلاع پر سنجاوی کے علاقے بھگیو سے اتوار کو تین افراد کی لاشیں برآمد کیں۔ حکام کے مطابق ان افراد کو سر اور سینے میں گولیاں ماری گئیں۔ لیویز آفیشل کو پشین کے قریب کلی ہکل زئی میں چیک پوسٹ کے قریب سے تین لاشیں ملیں جبکہ تین لاشیں کارے زٹ تحصیل میں خانوزئی کے علاقے درگئی میں پل کے نیچے سے ملیں۔ حکام نے بتایا کہ تمام لاشیں ایٹاپسی اور شناخت کے لیے سول ہسپتال لائی گئیں۔ ہسپتال حکام کے مطابق یہاں پہلے ملنے والی چھ لاشیں بھی موجود تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ زیادہ تر افراد کو انتہائی قریب سے نشانہ بنایا گیا۔ آفیشل ذرائع نے بتایا کہ جمعہ کو لائی گئی ایک لاش کی شناخت جنان کے نام سے ہوئی ہے جو ضلع سنجاوی علاقے دوکی کا رہنے والا تھا اور پانچ دن سے لاپتہ تھا۔ ایک ڈاکٹر نے بتایا کہ کلی ہکل زئی سے ملنے والی لاشیں مردوں کی ہیں جن پر بہیمانہ تشدد اور گولیوں کے نشانات موجود ہیں۔ ایک سیکیورٹی آفیشل نے بتایا کہ معاملے کی تحقیقات جاری ہے۔ (بشکریہ روزنامہ ڈان)

رواں برس بلوچستان سے 144 تشدد زدہ لاشیں برآمد

کوئٹہ محکمہ داخلہ حکومت بلوچستان کے ذرائع کے مطابق بلوچستان کے مختلف علاقوں سے 14 نومبر 2014ء تک 144 افراد کی لاشیں ملیں ہیں۔ محکمہ داخلہ کے ذرائع نے بی بی سی کو بتایا کہ یہ لاشیں بلوچستان کے چھ ڈویژنوں کے مختلف علاقوں سے برآمد ہوئیں ہیں۔ سب سے زیادہ لاشیں کوئٹہ ڈویژن سے ملیں جن کی تعداد 67 تھی۔ نامہ نگار کے مطابق 14 نومبر کے بعد بھی بلوچستان کے مختلف علاقوں سے بعض افراد کی تشدد زدہ لاشیں برآمد ہوتی رہی ہیں۔ جبکہ آج، پانچ دسمبر کو بھی ضلع پشین سے تین تشدد زدہ لاشیں برآمد ہوئیں۔ پشین انتظامیہ کے مطابق یہ لاشیں جمعہ کی شام ضلع کے علاقے یارو سے جو لاشیں ملی ہیں وہ ناقابل شناخت ہیں۔ 'نامعلوم افراد نے انہیں گولیاں مار کر ہلاک کرنے کے بعد ان کی لاشیں اس علاقے میں پھینک دی۔ تینوں افراد کی لاشوں کو پشین ہسپتال منتقل کر دیا گیا ہے جن میں سے ایک کی عمر 45 سال کے لگ بھگ ہے جبکہ دیگر دو لاشیں نوجوان افراد کی ہیں۔ محکمہ داخلہ کے ذرائع سے موصول ہونے والی تفصیلات کے مطابق 14 نومبر تک قلات ڈویژن سے 38، مکران ڈویژن سے 17، ژوب اور سبی ڈویژن سے آٹھ آٹھ اور نصیر آباد ڈویژن سے چھ افراد کی لاشیں برآمد ہوئیں۔ ذرائع کے مطابق ان 144 لاشوں میں سے 62 لاشیں بلوچوں، 24 پشتونوں، 19 دوسری قومیتوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی تھیں جبکہ 39 افراد کی لاشیں ناقابل شناخت تھیں۔ بلوچستان کی موجودہ مخلوط حکومت میں شامل جماعتوں کے رہنماؤں کا کہنا ہے کہ پہلے کے مقابلے میں موجودہ حکومت کے دور میں لاشوں کی برآمدگی میں کمی آئی ہے۔ بلوچستان کے طول و عرض سے تشدد زدہ لاشوں کی برآمدگی کا سلسلہ 2008 شروع ہوا تھا تاہم ایسے واقعات کے مقدمات کے اندراج کا سلسلہ 2010 سے سپریم کورٹ کے حکم پر شروع ہوا تھا۔ دوسری جانب بلوچستان سے لاپتہ افراد کے رشتہ داروں کی تنظیم وائس فار مسنگ بلوچ پرسنز کا کہنا ہے کہ بلوچستان سے برآمد ہونے لاشوں کی تعداد سرکاری اعداد و شمار کے مقابلے میں کئی گناہ زیادہ ہے۔ تنظیم کے مطابق ان میں سے بھاری اکثریت جبری طور پر لاپتہ کیے جانے والے بلوچوں کی ہے۔ (بشکریہ بی بی سی)

پرنسپل کے قاتلوں کی عدم گرفتاری کے خلاف شہریوں کا احتجاج

گوادر 4 دسمبر کو گوادر میں قتل کئے گئے پرائیوٹ سکول کے پرنسپل اور ماہر تعلیم زاہد آسکانی کے قاتلوں کی عدم گرفتاری کے خلاف گوادر کے تمام سرکاری، پرائیویٹ سکولوں کے طلباء و طالبات نے بڑی تعداد میں گوادر کے مختلف شاہراہوں پر ہاتھوں میں پلے کارڈ، بینرز لے کر شدید احتجاج کیا۔ مقتول پرنسپل زاہد آسکانی کے قتل کی مذمت کرتے ہوئے ڈی سی آفس پہنچ کر احتجاج کرنے والے طلباء و طالبات نے کہا کہ ایک ہفتہ گزرنے کے باوجود قاتلوں کو گرفتار نہیں کیا جا سکا۔ حکومت اب بھی قاتلوں کو گرفتار کرنے میں ناکام ہے۔ انہوں نے کہا کہ گوادر شہر کے چاروں اطراف مختلف فورسز کی چوکیاں لگی ہوئی ہیں مگر دن دیہاڑے تعلیم دوست انسان کے قتل کے بعد قاتلوں کی فرار ہونے میں کامیابی انتظامیہ کی کارکردگی پر سوالیہ نشان ہے۔ طلباء نے کہا کہ زاہد آسکانی کا قصور یہ تھا کہ وہ بلوچستان میں انتہا پسندانہ ماحول میں علم کی روشنی پھیلا کر طلباء و طالبات کے روشن مستقبل کے لیے کام کر رہے تھے اور انہوں نے ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے گوادر کو بہت فائدہ دیا۔ افسوس کہ بلوچستان حکومت اس سلسلے میں مکمل طور پر ناکام ہے۔ حکومتی سطح پر اس قتل پر خاموشی افسوسناک امر ہے۔ (غلام یاسین)

صحت

طبی سہولیات کی فراہمی کا مطالبہ

گنداواہ رورل ہیلتھ سنٹر گنداواہ ضلع جھل مگسی کو 2005ء میں ضلعی ہیڈ کوارٹر ہسپتال گنداواہ کا درجہ تو دیا گیا۔ مگر تا حال عمارت تعمیر نہیں کی گئی اور عملہ کی تعیناتی نہیں کی گئی۔ ضلع کی آبادی ایک اندازے کے مطابق دو لاکھ سے زیادہ ہے۔ اور یہاں کے عوام بھی غریب ہیں۔ اور اس ہسپتال کے نزدیک کوئی دوسرا طبی سینٹر نہیں ہے اور ضلعی ہیڈ کوارٹر ہسپتال میں جدید سہولیات نہ ہونے کے باعث عوام طبی سہولیات سے محروم ہیں۔ ضلعی ہسپتال میں نہ ایمر جنسی سینٹر ہے، اور نہ ہی ہیپا ٹائٹس کے انجکشن دستیاب ہیں۔ اور یہ کہ تمام شعبہ جات کے ماہر ڈاکٹر بھی نہیں ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت ملک کے دیگر علاقوں کی طرح ضلع جھل مگسی کے ضلعی ہیڈ کوارٹر ہسپتال گنداواہ میں طبی سہولیات کی فراہمی کو یقینی بنائے۔ (رحمت اللہ)

مریضوں کا ویکسین نہ ملنے پر احتجاج

حیدرآباد 6 نومبر کو ہیپا ٹائٹس کے مرض میں مبتلا مختلف علاقوں کے افراد نے ویکسین نہ ملنے کے خلاف ڈی جی ہیلتھ آفس کے احاطے میں دھرنا دیا اور مظاہرہ بھی کیا۔ مظاہرے میں شریک افراد نے ویکسین نہ ملنے پر انتظامیہ کے حلاف نعرے لگائے۔ مظاہرین نے بتایا کہ وہ ہیپا ٹائٹس کے موذی مرض میں مبتلا ہیں اور انہیں ڈی جی آفس سے وزیر اعلیٰ سندھ ہیپا ٹائٹس بچاؤ پروگرام کے تحت ویکسین ملتی ہے اور وہ دور دراز علاقوں سے ماہانہ بنیادوں پر بھاری کرایہ خرچ کر کے یہاں ویکسین لینے آتے ہیں لیکن اس بار انہیں ویکسین نہیں دی جا رہی ہے اور انتظامیہ کی جانب سے ٹال مٹول سے کام لیا جا رہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ویکسین نہ لگنے کی وجہ ان کے مرض میں اضافہ ہو رہا ہے۔ انہوں نے وزیر اعلیٰ سندھ سے مطالبہ کیا ہے کہ ہیپاٹائٹس مریضوں کو ویکسین نہ ملنے کا نوٹس لیا جائے۔ (لالہ عبدالحلیم)

پشاور پولیو مہم: ساڑھے سات لاکھ بچوں کو قطرے پلانے کا ہدف

پشاور خیبر پختونخوا کے دارالحکومت پشاور میں انسداد پولیو مہم میں 28 دسمبر کے روز ساڑھے سات لاکھ بچوں کو اس بیماری سے بچاؤ کے قطرے دینے کا ہدف رکھا گیا تھا۔ پاکستان میں اس سال اب تک پولیو کے 295 مریض سامنے آئے ہیں جن میں 66 کا تعلق خیبر پختونخوا اور 173 کا تعلق قبائلی علاقوں سے تھا۔ پشاور کی 97 یونین کونسلز میں گھر گھر جا کر پولیو سے بچاؤ کے قطرے دینے کی ایک روزہ مہم مکمل کی گئی۔ اس مہم میں سات لاکھ 54 ہزار بچوں کو اس وائرس کے حملے سے بچاؤ کے قطرے دینے کا ہدف رکھا گیا تھا۔ پشاور میں انسداد پولیو مہم کے حکام کے مطابق اس مہم کے لیے 4400 ٹیمیں تشکیل دی گئی تھیں۔ حکام کا کہنا تھا کہ آج اتوار کے روز ویکسین کے قطرے پینے سے رہ جانے والے بچوں کو آئندہ دو سے تین روز تک یہ قطرے دیے جانے کی مہم جاری رہے گی۔ پشاور کے ان متعلقہ علاقوں میں جہاں بچوں کو قطرے دیے جانے تھے اس کے لیے سخت حفاظتی انتظامات کیے گئے تھے۔ اکثر علاقوں میں موٹر سائیکل کی ڈبل سواری پر پابندی عائد تھی۔ ان علاقوں کے کوچوں کے داخلی اور خارجی راستوں پر پولیس اہلکار تعینات تھے۔ انکاری بچوں کے والدین میں پہلے کی نسبت کمی آئی ہے۔ اس سے پہلے ایسی اطلاعات ہیں کہ انکاری والدین کی تعداد بارہ ہزار سے اٹھارہ ہزار تک رہی تھی۔ گذشتہ ہفتے مکمل کی گئی مہم کے لیے بھی سات لاکھ 54 ہزار بچوں کو اس مہلک بیماری سے بچاؤ کے قطرے دیے جانے کا ہدف رکھا گیا تھا۔ تاہم ذرائع کے مطابق اس مہم میں چھ لاکھ 72 ہزار بچوں کو اس ویکسین کے قطرے دیے گئے تھے۔ ذرائع نے بتایا کہ 15000 بچے موقع پر دستیاب نہیں تھے جبکہ 9000 والدین نے اپنے بچوں کو یہ قطرے دینے سے انکار کر دیا تھا۔ حکام کا کہنا ہے کہ انکاری بچوں کے والدین میں پہلے کی نسبت کمی آئی ہے۔ اس سے پہلے ایسی اطلاعات ہیں کہ انکاری والدین کی تعداد 12 ہزار سے 18 ہزار تک رہی تھی۔ اگر حکام کی جانب سے دیے گئے ہدف کو مدنظر رکھا جائے تو کُل 81 ہزار بچے قطرے لینے سے محروم رہے ہیں۔ ان میں انکاری والدین کتنے ہیں اور ان بچوں کی تعداد کتنی ہے جو موقع پر دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اس بیماری سے بچوئو کے قطرے لینے سے رہ گئے تھے۔

(بشکریہ بی بی سی اردو)

فیصل آباد میں پولیو ورکر کا قتل

فیصل آباد پنجاب کے شہر فیصل آباد میں نامعلوم افراد نے پولیو ویکسی نیشن ٹیم کے ایک رکن کو گولی مار کر قتل کر دیا۔ یہ واقعہ 9 دسمبر کو اس وقت پیش آیا جب پولیو ٹیم دو روزہ مہم کے آخری دن بچوں کو پولیو قطرے پلا رہی تھی۔ سینئر پولیس افسر علی وسیم نے اے ایف پی کو بتایا کہ قتل ہونے والا 40 سالہ محمد سرفراز سکول ٹیچر تھا۔ وسیم احمد کے مطابق، موٹر سائیکل پر سوار مسلح افراد نے چھ گولیاں فائر کیں، جس کی وجہ سے وسیم موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔ انہوں نے بتایا کہ وسیم پر پہلے بھی دو حملے ہو چکے ہیں اور ابھی تک یہ واضح نہیں ہو سکا کہ آیا یہ واقعہ پولیو ویکسی نیشن کی مخالفت یا پھر ذاتی دشمنی کا نتیجہ ہے۔ دوسری جانب، شدت پسند گروپ جنداللہ نے واقعہ کی ذمہ داری قبول کر لی۔ گروپ کے ترجمان ہونے کے دعوے دار احمد مروت نے بتایا کہ پورے ملک میں پولیو ورکرز ان کا ہدف ہیں اور مستقبل میں بھی ایسے حملے ہوتے رہیں گے۔ مروت کا کہنا تھا کہ پاکستان بھر میں ان کے کارکن موجود ہیں جو آئندہ بھی ایسی کارروائیاں جاری رکھیں گے۔ پاکستان کا شمار ان تین ملکوں میں ہوتا ہے جہاں پولیو کا مرض موجود ہے۔ خیال رہے کہ پیر کو طالبان نے وادی سوات کے قریب بونیر میں پولیو ٹیم کی حفاظت پر مامور دو پولیس اہلکاروں کو ہلاک کرنے کی ذمہ داری قبول کی تھی۔ کالعدم تحریک طالبان پاکستان کے مرکزی ترجمان محمد خراسانی نے نامعلوم مقام سے اے ایف کو بتایا تھا کہ ان کا ہدف پولیس اہلکار تھے۔

(بشکریہ ڈان اردو)

سہولیات کے بغیر دیہی مرکز صحت

بصیرپور بصیرپور شہر کی آبادی ایک لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔ لیکن شہریوں کے علاج ومعالجے کے لیے صرف ایک دیہی مرکز صحت موجود ہے۔ مریضوں کو معمولی سی بیماری کا علاج کروانے کے لیے بھی دور دراز شہری علاقوں میں جانا پڑتا ہے جس کی وجہ سے انہیں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دیہی مرکز صحت میں سینئر میڈیکل آفیسر، لیڈی ڈاکٹر اور ڈینٹل سرجن کی آسامیاں خالی پڑی ہیں۔ عمارت کی کھڑکیاں اور دروازے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ عمارت کی چھتیں بھی کمزور ہو چکی ہیں۔ جس کی وجہ سے مریضوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ عوام کا مطالبہ ہے کہ دیہی مرکز صحت میں تمام طبی سہولیات فراہم کی جائیں اور عمارت کی تعمیر نو کی جائے تا کہ کسی خوفناک حادثے سے بچا جا سکے۔ (نامہ نگار)

حکایات کا مقابلہ

آئی۔اے۔رحمٰن

پوری قوم پشاور میں طلبہ پر ہونے والی دہشت گردی کی ہولناک واردات کے ذہنی اثرات سے ابھی تک باہر نہیں نکلی۔ یقیناً یہ حملہ ہولناک وحشی پن کا مظہر تھا جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اس سے قبل بھی دہشت گردی کے بہت سے واقعات ہو چکے ہیں جن میں کہیں زیادہ انسانی جانیں ضائع ہوئیں لیکن اس ہولناک واقعہ نے ہر پاکستانی کے دل پر گہرے زخم لگائے ہیں۔ اس لئے کہ پشاور کے اس واقعہ میں جو بچے زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے وہ ہمارے ملک کے کھلتے ہوئے پھول تھے، وہ ہمارے بڑے ہوتے ہوئے بچے تھے، ہمارا مستقبل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ نے ہمارے دل کاٹ کر رکھ دیئے۔ اس واقعہ پر دکھ اور غصے دونوں احساسات کا بیک وقت پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ اس قسم کی آفت اور تباہی کا مقابلہ کرنے میں ہمیں ذہنی بالیدگی اور پختگی کا ثبوت دینے کی ضرورت ہے۔

یہ ایک اچھی بات ہے کہ حکومت اور سیاسی جماعتوں نے فوری طور پر بے حد سخت رویے کا اظہار کیا۔ حکومت کا یہ اقدام لائق ستائش ہے کہ اس نے تمام سیاسی گروہوں کو اکٹھا کیا اور دہشت گردوں کو اس واقعہ کا مسکت اور واضح جواب دیا۔ اور یہ جواب تمام سیاسی جماعتوں کے درمیان اتفاق رائے سے دیا گیا۔ عمران خان نے اپنا ایجی ٹیشن ختم کر کے اور صورتحال سے نمٹنے کے لئے حکومتی موقف کی تائید کر کے بہت اچھا اقدام کیا ہے۔

بہرحال دہشت گردوں کو سنائی جانے والی پھانسی کی سزاؤں کی عارضی معطلی کے حکم کو واپس لینے کے فیصلے پر بہت سے تحفظات ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ چند دہشت گردوں کو پھانسی دینے سے صرف علامت کو دور کیا جا سکتا ہے لیکن مرض ویسے کا ویسا ہی رہے گا۔ دوسری بات یہ کہ پھانسی کی سزا پانے والے دوسرے مجرموں سے دہشت گردوں کو کیسے الگ کیا جا سکے گا؟ تیسری بات یہ کہ اگر ان تمام مجرموں کو پھانسی دینا مقصود ہے جنہیں انسدادِ دہشت گردی کی عدالتوں نے موت کی سزائیں سنائی ہیں تو امکان ہے کہ ان میں وہ لوگ بھی شامل ہو سکتے ہیں جو دہشت گرد نہیں ہیں اور جنہیں دھاندلی سے اور زبردستی دہشت گرد ٹھہرایا گیا ہے۔ ابہام کی وجہ سے انصاف کا خون ہوگا بلکہ اس سے بھی زیادہ بُری بات ہوگی۔

موت کی سزا کے معاملے کا تذکرہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ گھٹنے کے جھٹکے دیتے وقت احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ صورتحال ڈینگیں مارنے کی نہیں بلکہ ہوشمندی کی متقاضی ہے۔ دہشت گردی کے خلاف موثر حکمت عملی تیار کرنے کے لئے سب سے پہلے تو ان وجوہات کا تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے جن کے باعث دشمن اس قدر مضبوط ہو گیا ہے کہ وہ انتہائی حقارت اور رعونت کے ساتھ ریاست کو چیلنج کرنے لگا ہے۔

یہ کہانی اس وقت شروع ہوئی جب ریاست نے اپنی بدانتظامی اور بدعملی کو چھپانے کے لئے مذہب کو استعمال کیا اور شہریوں کے سیاسی، اقتصادی اور سماجی حقوق کا بھرپور طریقے سے استحصال کیا۔ تاریخ کے اُس سبق پر کسی نے توجہ نہیں دی کہ سیاسی ڈھانچے میں لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھے رکھنے میں مذہب کا نہ تو کوئی کردار ہے اور نہ ہی مذاہب لوگوں کو جوڑنے کے عمل میں کبھی کامیاب رہا ہے۔ بغیر کسی وقفے کے ریاست کے مدِمقابل سامنے آ گئے جو خود بھی اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے مذہب کو استعمال کرنا چاہتے تھے۔ لوگوں کے پاس دونوں کے درمیان یہ فرق جاننے کا کوئی طریقہ نہیں تھا کہ دونوں میں سے کون سا گروہ مذموم مقاصد کے حصول کے لئے مذہب کا موثر طور پر استحصال کر سکتا ہے۔

ریاست جس قدر مذہبی مبالغہ آمیزی میں خود کو ملوث کرتی جا رہی تھی اس سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ اس کے مخالف، عوام کے مذہبی جذبات کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ لگتا تھا جیسے مذہبی، سیاسی گروہوں کی طرف سے سیاسی چیلنج کافی نہیں تھا کہ ریاست نے بھی

ضرورت اس بات کی ہے کہ غلطیوں اور ضرر رساں انتخاب کے طویل ریکارڈ کو جانچا جائے وگرنہ پاکستان کے اندر دشمن اور اس کے مدد گاروں اور خیرخواہوں کے اقدامات کا تدارک ناممکن ہو جائے گا۔

مسلح انتہا پسندوں کے ابھار میں جان بوجھ کر حصہ ڈالا۔ پاکستان نے خود کو افغانستان کی جنگ میں دھکیل دیا اور ان آوازوں کو نظرانداز کر دیا جو پوچھ رہی تھیں کہ کیا یہ جنگ پاکستان کی جنگ ہے؟ اس طرح پاکستان نے اس عفریت کی پرورش کی جو آخرکار اپنے خالق ہی کو کھائے گا۔

پاکستان نے عسکریت پسندوں کو محفوظ جائے پناہ مہیا کی۔ اس نے قبائلی عوام کو جدید زمانے کی سائنس اور ٹیکنالوجی سے روشناس کرانے کی ضرورت کو جان بوجھ کر نظرانداز کیا۔ ان قبائلیوں نے سائنس اور ٹیکنالوجی کی طرف توجہ نہیں دی۔ انہوں نے افغان جنگ میں مدد کرنے کے سبب تحائف اور انعامات حاصل کرنے پر اکتفا کیا۔ تمام اقسام کے کرائے کے ٹٹوؤں، جن میں عرب، چینی، چیچن، ازبک شامل تھے، کے لئے کہیں بھی آنے جانے کی آزادی تھی۔ جب حکومت کو اپنی سرزمین پر ان عسکریت پسندوں کی موجودگی کا علم ہوا تو اس نے اپنے دوستوں کو ملک کی مذہبی جماعتوں اور دینی مدرسوں میں داخل کروا دیا۔ اس کا مقصد ان لوگوں کو ان کے ملکوں میں واپس بھیجنے سے روکنا تھا۔

عسکریت پسندوں سے جان چھڑانے کی کوششوں کو بھی اچھے اور بُرے طالبان میں فرق کر کے ناکام بنا دیا گیا۔ پاکستانی شہریوں، پولیس والوں اور مسلح افواج کے جوانوں کی قاتل مذہبی، سیاسی جماعتیں اپنے عسکریت پسند قاتل دوستوں کو تحفظ دینے میں تنہا نہیں تھیں، ان کے خیرخواہ مسلح افواج اور سول نوکر شاہی میں بھی موجود تھے۔ یہی نہیں بلکہ موجودہ حکومت کے وزیر بھی ان عسکریت پسندوں کے خیرخواہوں میں شامل ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ غلطیوں اور ضرر رساں انتخاب کے طویل ریکارڈ کو جانچا جائے وگرنہ پاکستان کے اندر دشمن اور اس کے مددگاروں اور خیرخواہوں کے اقدامات کا تدارک ناممکن ہو جائے گا۔ پاکستان کو جن واضح بنیادی سوالات کا سامنا کرنا پڑے گا وہ درج ذیل ہیں:۔

☆ مذہب کے نام پر اس دعوے کو جھٹلاتے ہوئے اور سیاسی مقاصد کے لئے مذہب کا استعمال کرنے کی اپنی روایت کو ترک کئے بغیر کیا ریاست اس چیلنج کا سامنا کر سکتی ہے جو مذہب کے نام پر شدت اختیار کرتا جا رہا ہے؟

☆ کیا پاکستان، افغانستان میں اس کلیدی حکمت عملی کی تلاش کو خیرباد کہہ چکا ہے جس کے حوالے سے اس پر الزام تراشی کی جاتی رہی ہے؟

☆ کیا کسی کے لئے یہ پیشگوئی کرنا ممکن ہے کہ طالبان آئندہ چند برسوں میں افغانستان میں پھر سے اقتدار میں آ جائیں گے اور کیا کوئی یہ ضمانت دے سکتا ہے کہ طالبان پاکستان یا کہیں اور سے اپنے دوستوں کے مشورے کو مانیں گے؟

اگر تو ان سوالات کے جوابات نفی میں ہیں تو کیا حکومت کے پاس اس قدر فہم، قوت ارادی اور صلاحیت ہے کہ وہ فوری طور پر اپنا راستہ بدل لے، اپنا ارادہ تبدیل کر لے؟ دفاعی قوتیں جانتی ہیں کہ وہ گوریلا فورس پر آسانی سے فتح نہیں پا سکتیں اس لئے کہ گوریلا فورس کو یہ برتری حاصل ہے کہ وہ اس علاقے کے بارے میں دفاعی قوتوں سے زیادہ علم رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے نقصان کی تلافی کرنے اور خود کو دوبارہ سے یکجا کرنے کی صلاحیت کا بھرپور ثبوت دیا ہے۔ یہ امکان ہے کہ یہ جنگ کسی کی سوچ سے بھی زیادہ طویل اور خون آشام ہو۔ محض فوجی آپریشن سے پاکستان اس قابل نہیں ہوگا کہ وہ اپنی سالمیت، اپنی خودمختاری اور اقوام عالم میں اپنی حیثیت پر ہونے والے انتہائی خوفناک حملہ کو پسپا کر دے۔ عسکریت پسندوں کے پاس ایک داستان ہے، ایک حکایت ہے جو لوگوں کی بڑی تعداد کے دلوں کو بھاتی ہے اور ریاست کی طرف سے تسلسل کے ساتھ اس کی اعلانیہ تعریف، اس کی طرف جھکاؤ اور اسے فوقیت دیتے رہنے پر حکومت کا شکریہ ہی ادا کیا جا سکتا ہے۔ کیا حکومت کے پاس کوئی اتنی ہی طاقت ور حکایت ہے؟ کیا صحیفوں کی تشریح کے لئے قدامت پسند اور خودساختہ مذہبی پیشواؤں کی اجارہ داری کو چیلنج کئے بغیر کوئی متبادل حکایت ممکن ہے؟

کیا حکومت نہیں جانتی کہ مسلح تصادمات کے علاوہ اس پر تصورات کی جنگ بھی مسلط کی جا چکی ہے؟ نوشتۂ دیوار بالکل واضح ہے۔ اندرونی دشمنوں ____ چنوتی دینے والے مسلح جنگجوؤں کے سرپرست، دوست اور معاونین ____ کے خلاف جنگ بیرونی دشمنوں کے خلاف جنگ سے کہیں زیادہ سخت ہوگی۔ اسی طرح حکایات کی جنگ بھی بندوقوں کی جنگ سے زیادہ مشکل ہوگی اس لئے کہ اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ ریاست کے سیاسی تصور کی مکمل طور پر نئی تشریح کی جائے اور حکومت کرنے کے جدید اور غیر مذہبی طریقے اختیار کئے جائیں۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ''دی نیوز'')

آئین میں دیئے گئے انسانی حقوق کو ہر روز پامال کیا جاتا ہے

بچیوں کی پیدائش سے پہلے ہی ان کے ساتھ امتیازی سلوک شروع کردیا جاتا ہے

وسطی کراچی میں خواتین، بچوں، مذہبی اقلیتوں اور مزدوروں کے حقوق پر نشست کا انعقاد

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق ضلع وسطی کراچی کے زیرانتظام 21 اکتوبر 2014ء کو خواتین، بچوں، مذہبی اقلیتوں اور مزدوروں کے حقوق کے بارے میں آگاہی کے لئے ایک نشست کا اہتمام کیا گیا جس میں معاشرے کے مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد جن میں خواتین، مزدور، طلباء اور سی بی او کے نمائندے شامل تھے، نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ شرکاء میں چالیس فیصد سے زائد خواتین تھیں جو ایک خوش آئند بات تھی۔ مسعود احمد وارثی نے نظامت کے فرائض ادا کرتے ہوئے ایچ آر سی پی کی طرف سے تمام شرکاء کا شکریہ ادا کرتے ہوئے، اسد اقبال بٹ وائس چیئرپرسن سندھ کو دعوتِ خطاب دی۔ اسد اقبال بٹ نے ایچ آر سی پی کے مختصر تعارف کے بعد حاضرین کو بتایا کہ ایچ آر سی پی انسانی حقوق کی جانکاری کے لئے پاکستان بھر میں ورکشاپ، سیمینار، ریلیاں اور مظاہروں کا اہتمام کرتا رہتا ہے۔ اس ورکشاپ کا مقصد عورتوں، بچوں، مزدوروں اور اقلیتوں کے حقوق کے حوالے سے لوگوں میں آگہی پیدا کرنا ہے۔

اسد اقبال بٹ نے کہا کہ معاشرے کے یہ چاروں گروپ سب سے زیادہ پسے ہوئے اور خطرات سے دوچار طبقات ہیں۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ان کے ساتھ ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں اور زیادتیوں کے خلاف ان کا ساتھ دیں۔ انسانی حقوق کا عالمی منشور اور پاکستان کا آئین ان سب کو زندہ رہنے کے حق کے ساتھ ساتھ اس بات کی ضمانت بھی دیتا ہے کہ ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق کوئی بھی مذہب اختیار کرسکتا ہے۔ مذہب کی بنیاد پر کسی کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں برتا جائے گا، ہر شخص کو اپنی مذہبی رسومات ادا کرنے اور مذہبی تعلیم حاصل کرنے کی آزادی ہوگی۔ اور یہ آزادی ہر شہری کا حق ہے جس کے لیے دوسروں کی جانب سے برداشت کی ضرورت ہے۔ کسی تعلیمی ادارے میں زیرتعلیم فرد کو کسی دوسرے مذہب کی تعلیم حاصل کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

اسد اقبال بٹ نے مزید کہا کہ آئین اس حق کو بھی تحفظ فراہم کرتا ہے کہ ہر شہری کو ٹریڈ یونین، اجتماعی انجمنیں بنانے اور ان میں شامل ہونے کی آزادی ہے۔ ہر شخص اپنی پسند کی سیاسی جماعت کا رکن بن سکتا ہے۔ ہر فرد اپنی پسند کا کوئی بھی جائز پیشہ یا کاروبار کرنے کا حق رکھتا ہے۔ کسی کو نہ جبری مشقت پر مجبور کیا جائے گا اور نہ ہی بطور غلام خریدا اور بیچا جائے گا۔ اسی طرح یو ڈی ایچ آر اور آئین پاکستان 14 سال سے کم عمر بچوں کو کارخانوں، کانوں اور کام کی دیگر ایسی جگہوں پر جو خطرناک کاموں کے زمرے میں آتی ہیں ملازم نہیں رکھا جاسکتا۔ مثلاً ایسی فیکٹریاں جہاں دھماکہ خیز مواد، کیمیکل، تمباکو، الکوحل وغیرہ بنتا یا استعمال ہوتا ہے۔ بچوں سے مخرب اخلاق فلموں میں کام لینا، انہیں جسم فروشی، جنسی اختلاط یا غلامی کے لئے خریدنا اور بیچنا جرم ہے۔ ہر بچے کو پانچویں جماعت تک مفت تعلیم دینا ریاست پر لازم ہے۔ بچوں کے مقدمات خصوصی عدالتوں میں چلائے جائیں گے اور انہیں قید کے دوران بالغ قیدیوں سے الگ رکھا جائے گا۔ 18 سال سے کم عمر افراد کو نہ تو سزائے موت دی جائے اور نہ ہی عمر قید کی ایسی سزا دی جائے گی جس سے رہائی کا کوئی امکان نہ ہو۔

> آئین کے مطابق قانون کی نظر میں سب شہری برابر قرار ہیں۔ آئین صنف کی بنیاد پر امتیاز برتنے پر پابندی عائد کرتے ہوئے قرار دیتا ہے کہ ایسا کوئی قانون نہیں بنایا جاسکتا جس میں صنف کی بنیاد پر شہریوں میں امتیاز برتا جائے۔

اسد اقبال نے مزید کہا کہ آئین کے مطابق قانون کی نظر میں سب شہری برابر قرار ہیں۔ آئین صنف کی بنیاد پر امتیاز برتنے پر پابندی عائد کرتے ہوئے قرار دیتا ہے کہ ایسا کوئی قانون نہیں بنایا جاسکتا جس میں صنف کی بنیاد پر شہریوں میں امتیاز برتا جائے۔ خواتین کو اپنی مرضی کی شادی کرنے، شادی ختم کرنے، جائیداد خریدنے، روزگار کے لئے اپنی پسند کا جائز کاروبار یا نوکری اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ ہر عورت اور مرد کو تعلیم حاصل کرنے کے یکساں مواقع ہوں گے۔ اسد اقبال بٹ نے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ عورت کے ساتھ امتیازی سلوک اس کی پیدائش سے پہلے ہی شروع ہوجاتا ہے جیسے ہی پتہ چلتا ہے کہ کوکھ میں پلنے والا بچہ لڑکی ہے تو خاوند، سسرال اور دیگر رسموں، رواجوں کے دباؤ پر ایسے حمل کو ضائع کردیا جاتا ہے۔ اکثر پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر خبر آتی ہے کہ فلاں گٹر، کوڑے کے ڈھیر یا نالے سے نوزائیدہ بچے یا بچوں کی لاشیں ملی ہیں۔ ان لاشوں میں نوے فیصد نوزائیدہ لڑکیوں کی لاشیں ہوتی ہیں۔ انہیں کبھی قبائلی لڑائیوں میں بطور جرمانہ ایک دوسرے کے حوالے کردیا جاتا ہے، تو کبھی نام نہاد غیرت کے نام پر کاری قرار دے کر قتل کیا جاتا ہے۔ جائیداد میں حصہ نہ دینے کی خاطر ان کی شادی قرآن سے کردی جاتی ہے۔ گھریلو تشدد کو گھر کا اندرونی معاملہ کہہ کر خاموش کردیا جاتا ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ پاکستان کے مختلف علاقوں سے سینکڑوں کی تعداد میں خواتین کو اغواء کرکے یا خرید کر جنسی کاروبار کرنے والوں کے ہاتھ فروخت کردیا جاتا ہے۔ جسم فروشی کا کاروبار کرنے والے دلالوں یا گاہکوں کو سزا دینے کی بجائے قانون ان مظلوم عورتوں کو سزا دے دیتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مذہبی اقلیتوں کا حال سب سے بُرا ہے۔ ان کی عبادت گاہوں کی بےحرمتی اور ان پر قبضہ اقلیتی برادری کے افراد پر قاتلانہ حملے، ان کی بچیوں کا زبردستی اغواء اور شادی کے لئے زبردستی مذہب تبدیل کرنا اور والدین سے ملنے بھی نہ دینا۔ نوکریوں، تعلیمی اداروں میں داخلے کے لئے میرٹ کی بجائے انتہائی معمولی کوٹہ، تعلیمی اداروں میں انہیں اسلامیات پڑھنے پر مجبور کرنا۔ ریاست کا مذہبی اقلیتوں کو تحفظ دینے کی بجائے مذہبی انتہا پسندوں کے سامنے ہتھیار ڈالنا، تاوان کے لئے ان کا اغواء اور تاوان نہ ملنے کی صورت میں قتل، مزدور قوانین پر عمل نہ ہونا، یونین سازی پر پابندی، سوشل سیکیورٹی کے اداروں میں اندراج کا نہ ہونا، کم ازکم مقرر کردہ تنخواہ بھی ادا نہ کرنا، کام کا غیر صحت مند ماحول، ملازم افراد کو تقرری کا لیٹر جاری نہ ہونا، کام کی جگہوں پر خاتون کارکنان کو جنسی طور پر ہراساں کرنا بچوں کو ممنوعہ خطرناک کاموں مثلاً قالین بافی، کیمیکل کے کارخانوں، کانوں، چوڑی بنانے کی بھٹیوں کے ساتھ ساتھ جنسی کاروبار، خودکش دھماکوں اور قبائلی لڑائیوں میں استعمال روز کا معمول ہے اور یہ سب ہمیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔

(رپورٹ: عبدالحئی)

خودکشی کے واقعات

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور جہد حق کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی گئی رپورٹوں کے مطابق **26** نومبر سے **25** دسمبر تک کے دوران ملک بھر میں **119** افراد نے خودکشی کرلی۔ خودکشی کرنے والوں میں **49** خواتین شامل تھیں۔ اسی عرصہ کے دوران **61** افراد نے خودکشی کرنے کی کوشش کی جنھیں بروقت طبی امداد دے کر بچالیا گیا۔ اقدام خودکشی کرنے والوں میں **34** خواتین شامل ہیں۔ اعداد وشمار کے مطابق خودکشی کرنے والوں میں سے **76** افراد نے گھریلو جھگڑوں ومسائل سے تنگ آ کر اور **14** نے معاشی تنگدستی سے مجبور ہوکر خودکشی کرلی۔ خودکشی کے واقعات میں **54** نے زہر کھا/پی کر، **28** نے خودکو گولی مار کر اور **27** نے گلے میں پھندا ڈال کر جان دے دی۔ خودکشی اور اقدام خودکشی کے **180** واقعات میں سے صرف **23** واقعات کی ایف آئی آر درج ہوئی۔

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
26نومبر	محمدالرحیم	مرد	55برس	۔	۔	۔	زہرخورانی	سجاول،ٹھٹھہ	۔	روزنامہ کاوش
26نومبر	محمدریاض	مرد	60برس	۔	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	ٹرین تلے کودکر	میاں چنوں	۔	روزنامہ خبریں
27نومبر	مرواں کولہی	خاتون	30برس	۔	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	سندھڑی،تھرپارکر	۔	روزنامہ کاوش
27نومبر	طاہر	مرد	۔	۔	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	فیصل آباد	۔	روزنامہ جنگ
27نومبر	نسرین بی بی	خاتون	۔	۔	۔	ذہنی معذوری	پھنداڈال کر	چک 649 گ ب،جڑانوالہ	۔	روزنامہ جنگ
27نومبر	ذیشان	مرد	18برس	۔	غیرشادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	محلّہ غوث پورہ،سمبڑیال	۔	روزنامہ نئی بات
27نومبر	نسیم بی بی	خاتون	25برس	۔	۔	گھریلوجھگڑا	پھنداڈال کر	جڑانوالہ،فیصل آباد	۔	روزنامہ نئی بات
27نومبر	اسلم	مرد	۔	۔	۔	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	تھانہ سول لائن،فیصل آباد	۔	روزنامہ نئی بات
27نومبر	ط	خاتون	۔	۔	۔	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	پنڈی پیراں،بچیکی	۔	روزنامہ نوائے وقت
27نومبر	امتیازانصاری	مرد	۔	۔	شادی شدہ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	محلّہ مسلم پارک،نارنگ منڈی	۔	روزنامہ نوائے وقت
27نومبر	ارشاد	مرد	۔	۔	۔	گھریلوحالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	جھامبرہ،میانوالی	۔	روزنامہ نوائے وقت
27نومبر	جنیدالحسن	مرد	۔	۔	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	خودکوگولی مارکر	جلال پورجٹاں،گجرات	۔	روزنامہ نوائے وقت
27نومبر	طاہر	مرد	۔	۔	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	فیصل آباد	۔	روزنامہ جنگ
27نومبر	قمرزمان	مرد	23برس	۔	۔	گھریلوحالات سے دلبرداشتہ	پھنداڈال کر	گاؤں 46فتح بستی اقبال نگرچشتیاں	۔	روزنامہ خبریں
28نومبر	۔	مرد	34برس	۔	۔	۔	ٹرین تلے آکر	لاڑکانہ،سندھ	۔	روزنامہ کاوش
28نومبر	راحیداللہ	مرد	9برس	۔	غیرشادی شدہ	بھائی کی موت پردلبرداشتہ	خودکوگولی مارکر	محمدخان،بنوں	۔	روزنامہ نوائے وقت
28نومبر	محمداسلم	خاتون	40برس	۔	شادی شدہ	علاج کے لیے رقم نہ ہونے پر	زہرخورانی	پنڈی راجپوتاں،لیاقت آباد،لاہور	۔	روزنامہ ایکسپریس
28نومبر	عدیلہ	خاتون	19برس	۔	۔	۔	زہرخورانی	ملت کالونی،فیصل آباد	۔	روزنامہ جنگ
28نومبر	شازیہ	مرد	۔	۔	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	خودکوآگ لگاکر	موضع چانبن،جوہرآباد	۔	روزنامہ جنگ
29نومبر	ثقلین	مرد	۔	۔	۔	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	محلّہ اشرف،سمندری،فیصل آباد	۔	روزنامہ نوائے وقت
29نومبر	حنا	خاتون	۔	۔	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	دھلے،گوجرانوالہ	۔	روزنامہ نوائے وقت
29نومبر	صائمہ	خاتون	۔	۔	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	چاہ تیلیاں والا،گوجرانوالہ	۔	روزنامہ نوائے وقت
29نومبر	سرداربخش	مرد	50برس	۔	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	خودکوگولی مارکر	گاؤں عبدالوہاب کنرانی،ٹھل	۔	روزنامہ کاوش
29نومبر	وکیل	مرد	۔	۔	۔	۔	خودکوگولی مارکر	گاؤں کلاکوٹ،تحصیل مٹہ،سوات	درج	روزنامہ ایکسپریس
30نومبر	حدیقہ	خاتون	۔	۔	غیرشادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	شکرگڑھ	۔	روزنامہ نئی بات
30نومبر	عاصمہ	خاتون	۔	۔	غیرشادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	ککرپوری،شرقپور	۔	روزنامہ نوائے وقت
30نومبر	سلیم	مر	24برس	۔	۔	۔	زہرخورانی	اے بلاک،پیپلزکالونی،فیصل آباد	۔	روزنامہ نوائے وقت
30نومبر	ہیری کولہی	خاتون	25برس	۔	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	پھنداڈال کر	تلہار،بدین	۔	روزنامہ کاوش
30نومبر	عاصم	مرد	22برس	۔	غیرشادی شدہ	۔	خودکوگولی مارکر	ماجوکے پڑانگ،چارسدہ	درج	روزنامہ ایکسپریس
30نومبر	سمیرا	خاتون	۔	۔	شادی شدہ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	پھنداڈال کر	سردارگڑھ،رحیم یارخان	۔	روزنامہ خبریں
یکم دسمبر	محمدافضل	مرد	28برس	۔	شادی شدہ	۔	پھنداڈال کر	پنگریو،ملکانی شریف	درج	روزنامہ کاوش
یکم دسمبر	فقانہ بی بی	خاتون	22برس	۔	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	خودکوگولی مارکر	افغان مہاجرین کیمپ،ہری پور	۔	ایکسپریس ٹربیون
یکم دسمبر	عصمت بی بی	خاتون	۔	۔	شادی شدہ	۔	زہرخورانی	ککڑی پورہ،فیروزوالا	۔	روزنامہ جنگ

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
یکم دسمبر	محسن عباس	مرد	18برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بلاک 17، جوہرآباد	-	روزنامہ جنگ
2دسمبر	جنگو	مرد	-	-	-	ذہنی معذوری	پھندا ڈال کر	خان پور، رحیم یار خان	-	روزنامہ جنگ
2دسمبر	نبیلہ خاصخیلی	خاتون	18برس	-	-	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	نصرپور، جھنڈو مری	-	روزنامہ کاوش
2دسمبر	-	مرد	-	-	-	-	خود کو گولی مار کر	خلیل آباد، متھرا، پشاور	درج	روزنامہ ایکسپریس
2دسمبر	ساجد حبیب	مرد	-	-	-	-	خود کو گولی مار کر	تھانہ سیٹلائٹ ٹاؤن، کوئٹہ	-	روزنامہ ڈان
2دسمبر	فضہ بی بی	خاتون	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	علی پارک، لاہور	-	روزنامہ خبریں
2دسمبر	ذیشان	مرد	34برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	نشتر کالونی، لاہور	-	روزنامہ خبریں
2دسمبر	مشتاق حسین	مرد	25برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	بے والا، بھکر	-	روزنامہ نئی بات
2دسمبر	یاسمین	خاتون	17برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	نہر میں کود کر	گاؤں بھوبڑا، حافظ آباد	-	روزنامہ نئی بات
3دسمبر	ریما بی بی	خاتون	17برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بھیل نگر، رحیم یار خان	-	روزنامہ خبریں
4دسمبر	خلیل احمد	مرد	23برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	محلہ افضل ٹاؤن، چونیاں	-	روزنامہ جنگ
4دسمبر	محمد شفقت	مرد	-	-	-	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	پسرور	-	روزنامہ جنگ
4دسمبر	انیلہ	خاتون	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک 36ج ب، فیصل آباد	-	روزنامہ جنگ
5دسمبر	احمد علی	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	-	خود کو گولی مار کر	جندر پار کوجر گڑھی، مردان	درج	روزنامہ ایکسپریس
5دسمبر	سوناری	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	-	بچل شاہ میانی، سکھر	-	روزنامہ کاوش
5دسمبر	مہناز	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	انصاری محلہ، کنڈیارو	-	روزنامہ کاوش
5دسمبر	بلال	مرد	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا ڈال کر	لودھراں	-	روزنامہ جنگ
5دسمبر	فرہاد	مرد	-	-	شادی شدہ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	فضل پارک، لاہور	-	روزنامہ دنیا
5دسمبر	شہزاد	مرد	25برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	سنت پورہ، کاموکی	-	روزنامہ جنگ
5دسمبر	شاہد	مرد	-	-	-	بیماری سے دلبرداشتہ ہوکر	پھندا ڈال کر	گاؤں جاتری، صفدرآباد	-	روزنامہ جنگ
6دسمبر	زاہدہ	خاتون	23برس	-	شادی شدہ	-	زہرخورانی	کاموکی	-	روزنامہ نوائے وقت
6دسمبر	کنول	خاتون	-	-	-	-	خود کو گولی مار کر	سندھ ہاؤس، اسلام آباد	-	روزنامہ خبریں
6دسمبر	منزہ	خاتون	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	خانیوال	-	روزنامہ جنگ
7دسمبر	شجاع الرحمان	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	حویلی لکھا	-	روزنامہ جنگ
7دسمبر	بشیر احمد	مرد	-	-	-	-	خود کو گولی مار کر	چونیاں	-	روزنامہ جنگ
7دسمبر	افضل	مرد۔	23برس	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	خود کو گولی مار کر	کوٹ نواب شاہ، منڈی بہاؤالدین	-	روزنامہ جنگ
7دسمبر	عبدالوحید	مرد	-	-	-	-	خود کو گولی مار کر	کوئٹہ	-	روزنامہ جنگ
7دسمبر	منور جمیل	مرد	45برس	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا ڈال کر	گاؤں عابد آباد، نوشہرورکاں	-	روزنامہ جنگ
8دسمبر	-	مرد	20برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	گاؤں 192ای بی، وہاڑی	-	روزنامہ نئی بات
8دسمبر	سلمان سرور	مرد	17برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	پکا گڑھا، سیالکوٹ	-	روزنامہ نئی بات
9دسمبر	انیلہ	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	سیالکوٹ کینٹ	-	روزنامہ نوائے وقت
8دسمبر	کانتا کوہلی	خاتون	20برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	علی بحر، ٹھٹھہ	-	روزنامہ کاوش
8دسمبر	-	مرد	20برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	وہاڑی	-	روزنامہ جنگ
9دسمبر	نصرمن اللہ	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	-	خود کو گولی مار کر	محلہ دولت زئی، سربند پشاور	درج	روزنامہ آج
9دسمبر	شاہد علی بھٹو	مرد	30برس	-	شادی شدہ	قرض سے تنگ آکر	زہرخورانی	ڈوکری، موہن جودڑو	-	روزنامہ کاوش
9دسمبر	محمد یونس	مرد	17برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا ڈال کر	تونسہ شریف	-	روزنامہ جنگ
10دسمبر	عاصم	مرد	22برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	گلیانہ، گجرات	-	روزنامہ جنگ
10دسمبر	شہناز بی بی	خاتون	35برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	احمد نگر چٹھہ، گوجرانوالہ	-	روزنامہ جنگ
10دسمبر	ظفر علی	مرد	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا ڈال کر	گاؤں 26جے ڈی، صدر گوگیرہ	-	روزنامہ جنگ
10دسمبر	عمارہ نسیم	خاتون	17برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک 7ج ب، فیصل آباد	-	روزنامہ جنگ

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
11دسمبر	غلام محمد پنہور	مرد	40برس	-	-	گھریلو جھگڑا	خودکو گولی مار کر	گاؤں جان محمد پنہور، کڈن، بدین	-	روزنامہ کاوش
12دسمبر	محمد نعیم	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکو گولی مار کر	27ایم ایل، کلورکوٹ	-	روزنامہ نئی بات
12دسمبر	عبدالرشید	مرد	-	-	-	-	زہرخورانی	کروڑلعل حسین، لیہ	-	روزنامہ جنگ
13دسمبر	خیال نواز	مرد	-	-	شادی شدہ	-	خودکو گولی مار کر	جانی خیل ایف سی قلعہ، بنوں	درج	روزنامہ ایکسپریس
13دسمبر	صبا پٹھان	خاتون	18برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ٹھاڑا محلہ، پیرجو گوٹھ، خیرپور	-	روزنامہ کاوش
13دسمبر	سومری	خاتون	17برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	چھمبڑ	-	روزنامہ کاوش
13دسمبر	امیر بخش	مرد	45برس	-	-	بیماری سے دلبرداشتہ ہوکر	پھندا ڈال کر	گاؤں بجارا مہرانپوٹو، کڈن	-	روزنامہ کاوش
13دسمبر	غلام فرید	مرد	28برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک 118ج ب، چک جھمرہ، فیصل آباد	-	روزنامہ نئی بات
13دسمبر	فیاض	مرد	-	-	-	گھریلو جھگڑا	کنویں میں کود کر	سیالکوٹ	-	روزنامہ نئی بات
13دسمبر	انیلہ	خاتون	-	-	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	زہرخورانی	سیالکوٹ کینٹ	-	روزنامہ خبریں
14دسمبر	اللہ رکھی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک 102ر ب، فیصل آباد	-	روزنامہ نوائے وقت
14دسمبر	کبریٰ	خاتون	22برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	منڈیانوالہ، شیخوپورہ	-	روزنامہ نوائے وقت
14دسمبر	محمد مشتاق	مرد	36برس	-	-	گھریلو جھگڑا	خودکو گولی مار کر	چک 69ر ب، فیصل آباد	-	روزنامہ جنگ
14دسمبر	اسفندیار	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	-	دریا میں کود کر	میاں رضوان کولونی، نوشہرہ	درج	روزنامہ آج
15دسمبر	کائنات	خاتون	14برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	-	محلہ الٰہی آباد، فیصل آباد	-	روزنامہ جنگ
15دسمبر	شکیلہ	خاتون	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	مرتضیٰ ٹاؤن، پتوکی	-	روزنامہ جنگ
15دسمبر	نیلم	خاتون	15برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گاؤں پھلریاں، الہ آباد	-	روزنامہ جنگ
15دسمبر	-	خاتون	18برس	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا ڈال کر	حیدرآباد	-	روزنامہ نوائے وقت
15دسمبر	ش	خاتون	21برس	-	غیرشادی شدہ	-	زہرخورانی	گاؤں طوطہ کان، ملاکنڈ	درج	روزنامہ آج
15دسمبر	بھولی کولہی	خاتون	17برس		-	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	گاؤں کریم بخش، حیدرآباد	-	روزنامہ کاوش
15دسمبر	-	خاتون	14برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	-	محلہ الٰہی آباد، فیصل آباد	-	روزنامہ جنگ
16دسمبر	برکت علی	مرد	-	-	شادی شدہ	-	خودکو گولی مار کر	وانڈہ کریم درکھان، ڈی آئی خان	درج	روزنامہ ایکسپریس
16دسمبر	حاجی	مرد	35برس	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا ڈال کر	ٹنڈو محمد خان	-	روزنامہ کاوش
16دسمبر	شانی	خاتون	40برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکو گولی مار کر	میرپور خاص	-	روزنامہ کاوش
16دسمبر	عباس کوریجی	مرد	17برس	-	-	-	خودکو گولی مار کر	گاؤں باقر علی، گڑھی یاسین	-	روزنامہ کاوش
16دسمبر	اشرف	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	خودکو گولی مار کر	غلہ منڈی، میلسی	-	روزنامہ جنگ
16دسمبر	ح	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	-	کچہ اراضی، روجھان	-	روزنامہ جنگ
17دسمبر	بلال	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	-	خودکو گولی مار کر	میانوالی	-	روزنامہ نوائے وقت
17دسمبر	یاسر	مرد	20برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	نورپور، فیصل آباد	-	روزنامہ نوائے وقت
18دسمبر	-	مرد	37برس	-	-	-	ٹرین تلے کود کر	موری پل، گکھڑمنڈی	-	روزنامہ نوائے وقت
18دسمبر	خدیجہ	خاتون	17برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	میاں سانسی، گوجرانوالہ	-	روزنامہ نوائے وقت
18دسمبر	پروین اختر	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا ڈال کر	433/6آر، ہارون آباد	-	روزنامہ نئی بات
19دسمبر	فاطمہ	خاتون	20برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	کنویں میں کود کر	گاؤں وکڑیو، اسلام کوٹ	-	روزنامہ کاوش
20دسمبر	محمد ندیم	مرد	29برس	-	شادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	پل سے کود کر	آزادی چوک، لاہور	-	روزنامہ دنیا
20دسمبر	طلعت	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہرخورانی	اقبال کالونی، فیصل آباد	-	روزنامہ جنگ
21دسمبر	محبوب احمد	مرد	26برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	قصور	-	روزنامہ جنگ

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
22دسمبر	عبدالخالق	مرد	55برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	سنی پل، رحیم یارخان	-	روزنامہ خبریں
22دسمبر	نسیم بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	کھٹی سمیجہ، لودھراں	-	روزنامہ جنگ
21دسمبر	رجب ملاح	مرد	-	-	-	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	اتفاق کالونی، بدین	-	روزنامہ کاوش
23دسمبر	حق نواز	مرد	22برس	-	غیر شادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	پھندا ڈال کر	453 گ ب فیصل آباد	-	روزنامہ جنگ
23دسمبر	شاہد	مرد	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	کیلے وال، ملتان	-	روزنامہ جنگ
23دسمبر	واحد بخش	مرد	35برس	-	-	-	پھندا ڈال کر	گاؤں کڈھن عبداللطیف	درج	روزنامہ کاوش
24دسمبر	سکو کولہن	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گاؤں ہنگورو خاصخیلی، کنری	-	روزنامہ کاوش
24دسمبر	آمنہ	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	اسرانی خیرپور ٹامیوالی، بہاولپور	-	روزنامہ خبریں
25دسمبر	صوفن ملاح	مرد	50برس	-	شادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	پھندا ڈال کر	ٹھٹھہ	-	روزنامہ کاوش

اقدام خودکشی:

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
25نومبر	جہانزیب	مرد	24برس	-	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	خود کو آگ لگا کر	گاؤں 108/IS ایل، میاں چنوں	-	نوائے وقت
27نومبر	شمس دین	مرد	-	-	-	غربت سے دلبرداشتہ ہو کر	زہرخورانی	چک 41 عباسیہ، لیاقت پور	-	روزنامہ خبریں
29نومبر	ریحانہ	خاتون	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گڑھی شاہو، لاہور	-	روزنامہ جنگ
29نومبر	کنول	خاتون	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	مسلم ٹاؤن، پتوکی	-	روزنامہ جنگ
29نومبر	کوثر	خاتون	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	رائیونڈ، لاہور	-	روزنامہ جنگ
29نومبر	عرفان	مرد	-	-	-	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہرخورانی	عرفان	-	روزنامہ نوائے وقت
29نومبر	ثمینہ بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو آگ لگا کر	چک 147 گ ب، جڑانوالہ	-	روزنامہ جنگ
29نومبر	ادو بی بی	خاتون	20برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	فتح پور کمال، رحیم یارخان	-	روزنامہ خبریں
29نومبر	عرفان علی	مرد	20برس	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	فتح پور کمال، رحیم یارخان	-	روزنامہ خبریں
29نومبر	بشیر احمد	مرد	65برس	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	جناح پارک، رحیم یارخان	-	روزنامہ خبریں
29نومبر	شگفتہ	خاتون	17برس	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	خان پور	-	روزنامہ خبریں
29نومبر	سمیرا	خاتون	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	ریلوے اسٹیشن، رحیم یارخان	-	روزنامہ خبریں
30نومبر	گوہر	خاتون	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	چشتیاں	درج	روزنامہ خبریں
یکم دسمبر	فرید کھور کھانی	مرد	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	خود کو گولی مار کر	کوٹری، سندھ	-	روزنامہ کاوش
یکم دسمبر	ناصرہ	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو آگ لگا کر	سمیجہ آباد، ملتان	درج	روزنامہ جنگ
2دسمبر	ممتاز بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو آگ لگا کر	مظفر گڑھ	درج	روزنامہ خبریں
3دسمبر	سونہاری	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	دیہہ 203، جھڈو، میرپورخاص	-	روزنامہ کاوش
3دسمبر	عیشو کولہی	خاتون	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	گاؤں رشید کموں، جھڈو، میرپورخاص	-	روزنامہ کاوش
5دسمبر	عشرت	خاتون	40برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	لائن پار، کامونکی	-	روزنامہ جنگ
5دسمبر	آست	خاتون	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	سوبھوڈیرو، گمبٹ	-	روزنامہ کاوش
6دسمبر	صباء	خاتون	20برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوجرانوالہ	-	روزنامہ خبریں
7دسمبر	عباس علی	مرد	30برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	نہر میں کود کر	گاؤں کارائی، لاڑکانہ	-	روزنامہ کاوش
7دسمبر	زرینہ	خاتون	20برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ٹنڈو آدم	-	روزنامہ کاوش

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
7دسمبر	لکی	خاتون	25برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ٹنڈوآدم	-	روزنامہ کاوش
8دسمبر	وسیم خان	مرد	-	-	شادی شدہ	-	خودکوگولی مارکر	چنبلی چوک، بنوں	درج	روزنامہ ایکسپریس
8دسمبر	صدیق	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	-	بستی نالہ گوٹھ بہار، لودھراں	درج	روزنامہ خبریں
9دسمبر	عائشہ بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	غازی آباد، لاہور	-	روزنامہ خبریں
9دسمبر	ندیم	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	سمن آباد، لاہور	-	روزنامہ خبریں
9دسمبر	سلطان	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	خودکوآگ لگاکر	غازی روڈ، لاہور	-	روزنامہ جنگ
9دسمبر	رخمنا	خاتون	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	کھڑا، گمبٹ	-	روزنامہ کاوش
9دسمبر	نواب	مرد	-	-	-	-	-	تھانہ چوک اعظم چوبارہ، لیہ	درج	روزنامہ خبریں
9دسمبر	شعیب احمد	مرد	-	-	-	-	-	ڈھنڈ گاگری، رحیم یارخان	درج	روزنامہ خبریں
11دسمبر	-	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	-	ڈسکہ	-	ایکسپریس ٹریبون
12دسمبر	سدرا	خاتون	22برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	نہرمیں کودکر	ٹھٹھہ	-	روزنامہ کاوش
12دسمبر	جویریہ	خاتون	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چوبارہ، لیہ	درج	روزنامہ خبریں
11دسمبر	-	خاتون	-	-	غیرشادی شدہ	-	چھت سے کودکر	دادو	-	روزنامہ کاوش
13دسمبر	ناشاخاتون	خاتون	30برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	محراب پور، گمبٹ	-	روزنامہ کاوش
13دسمبر	حلیمہ	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	محراب پور، گمبٹ	-	روزنامہ کاوش
15دسمبر	ماجد	مرد	-	-	شادی شدہ	-	خودکوگولی مارکر	بہاری کالونی مچنی گیٹ، پشاور	درج	روزنامہ آج
15دسمبر	ساجن کمار	مرد	22برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گاؤں دوست علی، سامارو	-	روزنامہ کاوش
15دسمبر	طاہرہ	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ماڈل ٹاؤن، لاہور	-	ایکسپریس
15دسمبر	شازیہ	خاتون	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	مانگامنڈی	-	ایکسپریس
15دسمبر	احسن	مرد	-	-	-	-	زہرخورانی	شیراکوٹ، لاہور	-	ایکسپریس
17دسمبر	محرم جمالی	مرد	-	-	-	پولیس کے تشدد سے دلبرداشتہ	-	لاڑکانہ، سندھ	درج	روزنامہ کاوش
18دسمبر	شاہدہ خاتون	خاتون	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گمبٹ	-	روزنامہ کاوش اخبار
19دسمبر	شاہدہ ابڑو	خاتون	-	-	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	نہرمیں کودکر	سکھر	-	روزنامہ کاوش
20دسمبر	شبانہ	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	شفیق آباد، لاہور	-	جنگ
20دسمبر	احسان	مرد	-	-	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	زہرخورانی	نواں کوٹ، لاہور	-	جنگ
21دسمبر	گلزار	مرد	18برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	فیصل کالونی، گوجرانوالہ	-	خبریں
21دسمبر	قیصرعباس	مرد	25برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	کوٹ اسحاق، گوجرانوالہ	-	خبریں
22دسمبر	حاکم علی	مرد	80برس	-	-	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	چک 65/5 ایل، ساہیوال	-	ایکسپریس
22دسمبر	غلام اصغر جمالی	مرد	22برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	سیٹھارجہ	-	روزنامہ کاوش
12دسمبر	ثمینہ	خاتون	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بستی بہارشاہ، لیہ	-	روزنامہ جنگ
21دسمبر	سائرہ	خاتون	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	لئی والہن لودھراں	-	روزنامہ خبریں
22دسمبر	عبداللہ	مرد	-	-	-	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	غلام احمد آباد، رحیم یارخان	درج	روزنامہ جنگ
24دسمبر	عمران	رد	-	-	-	-	-	بہاولپور	درج	روزنامہ خبریں
25دسمبر	جاوید احمد	مرد	20برس	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	-	بستی کمال، رحیم یارخان	-	روزنامہ خبریں
25دسمبر	رقیہ	خاتون	40برس	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	-	خانپور	-	روزنامہ خبریں
25دسمبر	شمیم بی بی	خاتون	19برس	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	-	شیخ والہن، رحیم یارخان	-	روزنامہ خبریں
25دسمبر	محمد کاشف	مرد	17برس	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	-	ہیڈحاجی پور، رحیم یارخان	-	روزنامہ خبریں
25دسمبر	آصف	مرد	26برس	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	-	اسلامیہ کالونی، رحیم یارخان	-	روزنامہ خبریں

کاری، کاروکہہ کرمارڈالا:

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور ''جہدحق'' کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی جانے والی رپورٹوں کے مطابق 26 نومبر سے 23 دسمبر تک 19 افراد پر کاروکاری کا الزام لگا کر قتل کر دیا گیا۔ جن میں 14 خواتین اور 5 مرد شامل ہیں۔

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	آلہ واردات	ملزم کا متاثرہ عورت / مرد سے تعلق	مقام	واقعہ کی بظاہر کوئی اور وجہ	ایف آئی آر درج / نہیں	ملزم گرفتار / نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن / اخبار
26 نومبر	عابدہ مہر	خاتون	۔	شادی شدہ	علی گوہر مہر	بندوق	خاوند	گوٹھ رمضان جی واندھ، رستم، شکارپور۔سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
26 نومبر	گل بہارایری	مرد	۔	۔	مومن مگسی	بندوق	۔	بہرام، قمبر۔سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
26 نومبر	امداداہیر	مرد	۔	۔	مومن مگسی	بندوق	۔	بہرام، قمبر۔سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
27 نومبر	دادی جکھرانی	خاتون	30 برس	شادی شدہ	انب جکھرانی	بندوق	دیور	گوٹھ بھاگیو جکھرانی، جیکب آباد	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
29 نومبر	بشیراں چانڈیو	خاتون	۔	۔	عاشق چانڈیو	بندوق	دیور	گوٹھ دوست علی، قمبر۔سندھ	۔	۔	۔	روزنامہ کاوش
04 دسمبر	شیر بی بی بروہی	خاتون	۔	شادی شدہ	نواز علی بروہی	بندوق	خاوند	گوٹھ خان محمد بروہی، گڑھی خیرو، جیکب آباد	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
04 دسمبر	عزیزاللہ بروہی	مرد	۔	۔	نواز علی بروہی	بندوق	بھائی	گوٹھ خان محمد بروہی، گڑھی خیرو، جیکب آباد	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
04 دسمبر	بصراں جیہو	خاتون	25 برس	شادی شدہ	سونل جیہو	بندوق	خاوند	گوٹھ بڈھو جیہو، نوڈیرو، لاڑکانہ۔سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
05 دسمبر	مریم سمیجو	خاتون	۔	شادی شدہ	فیض محمد سمیجو	کلہاڑی	خاوند	دیہہ پٹیانی، پھلڈیوں، کچھرو	۔	درج	۔	عوامی آواز
09 دسمبر	سہنی جکھرانی	خاتون	25 برس	شادی شدہ	رحمدل جکھرانی	بندوق	ماموں	دادپور جاگیر، جیکب آباد۔سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
09 دسمبر	بشیراں گاڈہی	خاتون	28 برس	شادی شدہ	بچل گاڈہی	بندوق	خاوند	گوٹھ علی محمد گاڈہی، قمبر۔سندھ	۔	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
10 دسمبر	حسینہ بروہی	خاتون	۔	شادی شدہ	حامد بروہی	بندوق	بھائی	میروخان، قمبر۔سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
10 دسمبر	شاہدہ سندرانی	خاتون	۔	۔	شہزادو سندرانی اور ساتھی	۔	۔	ستار ڈنو سندرانی، گھوٹکی۔سندھ	۔	۔	۔	روزنامہ کاوش
11 دسمبر	فاطمہ	خاتون	۔	۔	اعجاز	کلہاڑی	بھائی	چوہڑ جمالی	۔	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
15 دسمبر	نادر بھٹی	مرد	۔	شادی شدہ	برادری والے	بندوق	رشتے دار	چانڈکا پل لاڑکانہ۔سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
18 دسمبر	تہمید گنبھیر	مرد	24 برس	۔	مصری تنگیانی	بندوق	۔	گوٹھ تنگیانی، مانجھند، جامشورو۔سندھ	۔	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
18 دسمبر	ماروی تنگیانی	خاتون	۔	شادی شدہ	مصری تنگیانی	بندوق	خاوند	گوٹھ تنگیانی، مانجھند، جامشورو۔سندھ	۔	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
19 دسمبر	پناہ خاتون بنگلانی	خاتون	19 برس	شادی شدہ	گل محمد بنگلانی	بندوق	چچا	گوٹھ احمد بنگلانی، میرواہ گورچانی، میرپورخاص	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
23 دسمبر	روشنا سندرانی	خاتون	۔	شادی شدہ	حمزو خان	بندوق	خاوند	کچہ علاقہ، گھوٹکی۔سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش

جنسی تشدد کے واقعات:

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور جہد حق کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی جانے والی رپورٹوں کے مطابق 25 نومبر سے 24 دسمبر تک 83 افراد کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ جنسی زیادتی کا شکار ہونے والوں میں 65 خواتین شامل ہیں۔ 54 واقعات کے مقدمات درج کیے گئے اور 10 واقعات میں ملوث افراد گرفتار ہوئے۔

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت/مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
25نومبر	-	بچی	13برس	غیرشادی شدہ	عرفان علی	اہل علاقہ	نند کا تکیہ، قصور	درج	-	خبریں
26نومبر	م	بچی	3برس	غیرشادی شدہ	شکیل	اہل علاقہ	335 گ ب، رجانہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ	درج	گرفتار	روزنامہ خبریں
26نومبر	م	بچی	12برس	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	لیبر کالونی، مریدکے	-	-	روزنامہ خبریں
27نومبر	الف	خاتون	18برس	غیرشادی شدہ	فیاض چیمہ	اہل علاقہ	پرانا شہر، شیخوپورہ	درج	-	روزنامہ خبریں
28نومبر	ع	خاتون	19برس	غیرشادی شدہ	سراج، محمد عمر	اہل علاقہ	کوٹ سلطان، لیہ	درج	گرفتار	روزنامہ دنیا
28نومبر	-	بچی	5برس	غیرشادی شدہ	غلام عباس	اہل علاقہ	ڈی پی او آفس، وہاڑی	درج	-	روزنامہ دنیا
29نومبر	علی حسنین	بچہ	8برس	غیرشادی شدہ	ذوالفقار	اہل علاقہ	وارڈ نمبر 3، قبولہ	درج	گرفتار	روزنامہ نوائے وقت
29نومبر	ب	خاتون	15برس	غیرشادی شدہ	عمران	اہل علاقہ	سول لائن، جھنگ	درج	-	روزنامہ نوائے وقت
30نومبر	ع	خاتون	-	غیرشادی شدہ	شہباز	اہل علاقہ	غلام محمد آباد، فیصل آباد	درج	-	روزنامہ نوائے وقت
2دسمبر	س	خاتون	18برس	غیرشادی شدہ	سجاد، عظیم، آصف	اہل علاقہ	651/2ب، فیصل آباد	-	-	روزنامہ خبریں
2دسمبر	ف	خاتون	14برس	غیرشادی شدہ	سجاد، عظیم، آصف	اہل علاقہ	651/2 گ ب، فیصل آباد	-	-	روزنامہ خبریں
2دسمبر	ح	خاتون	16برس	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	جامع آباد، چنیوٹ	-	-	روزنامہ خبریں
2دسمبر	ش	خاتون	-	شادی شدہ	عبدالغفور، ریاض	اہل علاقہ	بہاولپور	درج	-	ایکسپریس ٹریبون
2دسمبر	-	بچی	4برس	غیرشادی شدہ	ببلو	اہل علاقہ	نادر گارڈن، بہاولپور	درج	گرفتار	ایکسپریس ٹریبون
3دسمبر	ر	خاتون	-	غیرشادی شدہ	بلال، امین	-	یزمان	درج	-	روزنامہ جنگ
3دسمبر	علی حسن	بچہ	5برس	غیرشادی شدہ	شان	اہل علاقہ	نارنگ منڈی	درج	-	روزنامہ نوائے وقت
3دسمبر	فرحان	بچہ	5برس	غیرشادی شدہ	رضوان	اہل علاقہ	چک 9/11 رینالہ خورد	درج	-	روزنامہ نوائے وقت
3دسمبر	ف	خاتون	-	-	محمد آصف، عظیم، شہباز	اہل علاقہ	لنڈیانوالہ، فیصل آباد	درج	-	ایکسپریس ٹریبون

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت /مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج /نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
3دسمبر	ش	خاتون	۔	۔	محمد آصف،عظیم،شہباز	اہل علاقہ	لنڈیانوالہ،فیصل آباد	درج	۔	ایکسپریس ٹریبون
3دسمبر	س	خاتون	۔	۔	۔	اہل علاقہ	چک 2بی سی،خانپور	درج	۔	ایکسپریس ٹریبون
4دسمبر	ن	بچی	۔	غیر شادی شدہ	صفدر	اہل علاقہ	اقبال نگر،فیصل آباد	درج	۔	روزنامہ خبریں
4دسمبر	ر	خاتون	۔	شادی شدہ	صغیر	اہل علاقہ	224،رب،فیصل اباد	درج	۔	روزنامہ خبریں
4دسمبر	الف	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	ارشد	اہل علاقہ	الطاف شیخ،فیصل آباد	درج	۔	روزنامہ خبریں
4دسمبر	۔	خاتون	20برس	غیر شادی شدہ	رفیق،بلال،امین	اہل علاقہ	چک 44ڈی این بی،بہاولپور	درج	۔	روزنامہ ایکسپریس ٹریبون
6دسمبر	۔	بچہ	۔	غیر شادی شدہ	یونس	اہل علاقہ	موضع کھمبی،سرائے عالمگیر	درج	۔	روزنامہ نوائے وقت
6دسمبر	ف	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	سمیان،واجد،عادل	اہل علاقہ	گاؤں 68/22،پیرمحل	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
6دسمبر	طیب	مرد	15برس	غیر شادی شدہ	شعیب	اہل علاقہ	کوٹلہ مادھورام،اوکاڑہ	۔	۔	نوائے وقت
6دسمبر	پ	خاتون	۔	شادی شدہ	امجد،ظفر،اعظم	اہل علاقہ	جندراکہ،اوکاڑہ	۔	۔	نوائے وقت
7دسمبر	ن	خاتون	۔	۔	فیاض حسین،عابد حسین	۔	محلّہ عبدالحکیم،کبیروالہ	درج	۔	روزنامہ جنگ
7دسمبر	ف	خاتون	۔	شادی شدہ	عمران،ایزک	اہل علاقہ	رسول ٹاؤن،فیصل آباد	درج	۔	خبریں
7دسمبر	۔	خاتون	20برس	۔	۔	۔	وی آئی پی کالونی،کاہنہ،لاہور	۔	۔	جنگ
7دسمبر	پرویز	مرد	۔	۔	خالد	۔	سرائے سدھو	درج	۔	روزنامہ جنگ
8دسمبر	۔	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	اعجاز	اہل علاقہ	گلبرگ کالونی،قصور	درج	گرفتار	نوائے وقت
8دسمبر	۔	بچی	۔	غیر شادی شدہ	علی	اہل علاقہ	گاؤں دھیروکے،پسرور	۔	۔	نوائے وقت
8دسمبر	ر	خاتون	۔	۔	مقصود احمد	اہل علاقہ	چک 597 گ ب،فیصل آباد	۔	۔	نوائے وقت
8دسمبر	ر	خاتون	۔	۔	محبوب،ابراہیم	اہل علاقہ	71ای بی،پاکپتن	۔	۔	نوائے وقت
8دسمبر	خ	خاتون	15برس	غیر شادی شدہ	ضیغم،آکاش	اہل علاقہ	گاؤں پاڑا احمد،سکھیکی	۔	۔	نوائے وقت
8دسمبر	ش	خاتون	۔	۔	۔	اہل علاقہ	پیرودھائی موڑ،اسلام آباد	درج	۔	ایکسپریس ٹریبون

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت/مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
9دسمبر	ک	خاتون	25برس	-	-	اہل علاقہ	ورن پل،شیخوپورہ	-	-	نئی بات
9دسمبر	-	خاتون	-	غیرشادی شدہ	محبوب	اہل علاقہ	محلہ فریدآباد، پاکپتن	-	-	نیوز
10دسمبر	ح	خاتون	-	-	محمد ناظم	-	مظفرگڑھ	درج	-	روزنامہ جنگ
11دسمبر	ف	خاتون	-	-	اکرم	اہل علاقہ	محلہ دولیکی، منڈی بھٹیاں	درج	گرفتار	نوائے وقت
11دسمبر	عتیق	بچہ	7برس	غیرشادی شدہ	علی رضا	اہل علاقہ	چک 4460 گ ب، فیصل آباد	-	-	نوائے وقت
11دسمبر	-	بچہ	-	غیرشادی شدہ	اشفاق	اہل علاقہ	چک 387 گ ب، فیصل آباد	-	-	نوائے وقت
12دسمبر	م	خاتون	-	-	عامر،نوید،عظمت	اہل علاقہ	ستوکتلہ، لاہور	درج	گرفتار	جنگ
12دسمبر	س	خاتون	-	-	مسعود،شوکت	اہل علاقہ	پاکپتن	-	-	نیوز
12دسمبر	-	خاتون	-	غیرشادی شدہ	مقصود	اہل علاقہ	چک امیر، مامونکا، پاکپتن	-	-	نیوز
13دسمبر	-	مرد	-	غیرشادی شدہ	سرفراز،گوہر،شعیب	-	خان گڑھ، علی پور	درج	-	روزنامہ جنگ
15دسمبر	ن	خاتون	-	-	-	-	بستی خداداد، ملتان	درج	-	روزنامہ جنگ
15دسمبر	ش	خاتون	-	غیرشادی شدہ	توقیر	-	تلکوٹ مظفرگڑھ	درج	-	روزنامہ جنگ
15دسمبر	ر	خاتون	-	-	شفیق احمد	-	رحیم یارخان	درج	-	روزنامہ جنگ
16دسمبر	-	بچی	-	غیرشادی شدہ	علی اصغر،طارق،عرفان	اہل علاقہ	گاؤں آپلووالی	-	-	ایکسپریس
16دسمبر	-	بچی	11برس	غیرشادی شدہ	حفیظ، کاشف	اہل علاقہ	امجد ٹاؤن، پارٹیاں والا	درج	-	ایکسپریس
16دسمبر	-	بچہ	-	غیرشادی شدہ	الطاف	استاد	گورنمنٹ پرائمری سکول، چوہنگ، لاہور	-	-	ایکسپریس
17دسمبر	ز	خاتون	15برس	غیرشادی شدہ	رفاقت	اہل علاقہ	لاری اڈا، لاہور	درج	گرفتار	خبریں
20دسمبر	ش	خاتون	-	غیرشادی شدہ	ارشاد، مقبول	اہل علاقہ	بستی ملکانوالی، بہاولنگر	-	-	خبریں
20دسمبر	ش	خاتون	-	غیرشادی شدہ	عدنان	اہل علاقہ	فیروزوالہ	-	-	نوائے وقت
20دسمبر	آفتاب	بچہ	-	غیرشادی شدہ	عمران	اہل علاقہ	انورآباد، جڑانوالہ	-	-	نوائے وقت

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت/مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
20دسمبر	سلمان	خاتون	۔	۔	۔	اہل علاقہ	لکھی غلام شاہ، شکارپور، سندھ	۔	۔	روزنامہ کاوش
20دسمبر	خ	خاتون	۔	۔	منظور	اہل علاقہ	خیرپور میرس، سندھ	۔	۔	روزنامہ کاوش
20دسمبر	الف	خاتون	۔	شادی شدہ	ستار، سکندر، یاسین شیخ	رشتہ دار	مصطفیٰ آباد ڈہرکی، گھوٹکی، سندھ	درج	۔	روزنامہ کاوش
20دسمبر	عبدالوحید کٹوہر	مرد	16برس	غیرشادی شدہ	۔	اہل علاقہ	گوٹھ ارباب کٹوہر، خیرپور میرس، سندھ	۔	۔	روزنامہ کاوش
21دسمبر	۔	بچی	8برس	غیرشادی شدہ	زاہد	۔	کلیم چوک، بستی موہانہ جھوک اترا	درج	گرفتار	روزنامہ خبریں
21دسمبر	ن	خاتون	۔	۔	فاروق	اہل علاقہ	چک 144 گ ب، جڑانوالہ	۔	۔	روزنامہ خبریں
21دسمبر	ص	خاتون	۔	۔	ساجد	اہل علاقہ	بستی سبحان پورہ، وار برٹن	درج	۔	روزنامہ خبریں
21دسمبر	خ	خاتون	۔	شادی شدہ	رب نواز	اہل علاقہ	ماموں کانجن، فیصل آباد	درج	۔	روزنامہ خبریں
21دسمبر	۔	خاتون	16برس	غیرشادی شدہ	رمضان	اہل علاقہ	میونسپل کالج، جڑانوالہ	درج	۔	روزنامہ خبریں
21دسمبر	ن	خاتون	20برس	۔	عدنان	اہل علاقہ	216رب، فیصل آباد	درج	۔	روزنامہ خبریں
21دسمبر	ش	خاتون	16برس	غیرشادی شدہ	عبدالرحمان	اہل علاقہ	بستی ملک پہلوان، صادق آباد	درج	گرفتار	روزنامہ خبریں
22دسمبر	د	خاتون	۔	شادی شدہ	مجاہد، فیاض	اہل علاقہ	عباس ٹاؤن، فیصل آباد	۔	۔	روزنامہ جنگ
22دسمبر	ص	خاتون	۔	شادی شدہ	آصف	اہل علاقہ	بس سٹاپ، شاہکوٹ	درج	۔	روزنامہ نوائے وقت
22دسمبر	غلام شہباز	بچہ	11برس	غیرشادی شدہ	اظہر	اہل علاقہ	سرائے مغل	درج	۔	روزنامہ نوائے وقت
22دسمبر	محمد عباس	مرد	18برس	غیرشادی شدہ	شفیق، شفقت، مجاہد	اہل علاقہ	محلہ شمس، چیچہ وطنی	درج	۔	روزنامہ ایکسپریس
22دسمبر	شاہد	بچہ	6برس	غیرشادی شدہ	افضل	اہل علاقہ	582 گ ب، لنڈیانوالہ، فیصل آباد	درج	۔	روزنامہ خبریں
23دسمبر	ث	خاتون	۔	شادی شدہ	ضمیر	اہل علاقہ	کھڈیاں، قصور	درج		روزنامہ خبریں
23دسمبر	س	خاتون	۔	۔	۔	اہل علاقہ	موضع سبحانی، قصور	۔		روزنامہ خبریں
23دسمبر	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	احمد یار	اہل علاقہ	ہڑپہ، ساہیوال	درج		روزنامہ نوائے وقت
23دسمبر	۔	خاتون	۔	غیرشادی شدہ	احمد یار	اہل علاقہ	ہڑپہ، ساہیوال	درج		روزنامہ نوائے وقت
23دسمبر	نعمان	بچہ	10برس	غیرشادی شدہ	حریرہ	اہل علاقہ	شکیل پارک، فیصل آباد	درج		روزنامہ نوائے وقت
24دسمبر	ث	خاتون	۔	۔	صدی احمد	اہل علاقہ	فیصل آباد	درج		روزنامہ نوائے وقت
24دسمبر	ع	خاتون	۔	۔	صدی احمد	اہل علاقہ	فیصل آباد	درج		روزنامہ نوائے وقت
24دسمبر	شاہد علی	مرد	76برس	غیرشادی شدہ	علی احمد	اہل علاقہ	چک 582 گ ب، فیصل آباد	درج		روزنامہ نوائے وقت
24دسمبر	۔	بچہ	13برس	غیرشادی شدہ	جمشید، اویس	اہل علاقہ	نارنگ منڈی	درج		روزنامہ نوائے وقت

انتہا پسندی کی روک تھام اور رواداری کے فروغ کے لیے منعقدہ تربیتی ورکشاپس کی رپورٹس

کبیر والا پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے زیراہتمام صوبہ پنجاب کے ضلع خانیوال کی تحصیل کبیر والا میں تکثیری اقدار کے فروغ اور انسانی حقوق کی تعلیم کے عنوان پر 25,24 اکتوبر کو دوروزہ تربیتی ورکشاپ کا اہتمام کیا گیا۔ ورکشاپ میں بارہ خواتین سمیت زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے 28 افراد نے شرکت کی۔ ورکشاپ میں انسانی حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار، میڈیا کیا ہے اسکی مختلف اقسام بدلتے ہوئے رجحانات اور انتہا پسندی کے انسداد یا فروغ میں میڈیا کا کردار، مذہبی ومسلکی رواداری کا فروغ اور نفرت وتعصب کے انسداد کے لیے لائحہ عمل، انتہا پسندی کے انسداد میں ادب .ادیب اور فنون لطیفہ کا کردار، انتہا پسندی کیا ہے، اسکی مختلف اقسام، ہماری زندگی پر اثرات اور ان کی روک تھام کے لیے لائحہ عمل اور جمہوریت اور انسانی حقوق، انسانی حقوق اور معاشی ترقی کے مابین تعلق جیسے موضوعات زیر بحث رہے۔ سہولت کاروں میں ایچ آر سی پی کے پروگرام کوآرڈینیٹر ندیم عباس، ریجنل کوآرڈینیٹر عون محمد، ڈسٹرکٹ کوآرڈینیٹر شاہدہ اور ڈاکٹر اختر، ملک ماجد، ایوب ساجد، سید فرخ رضا، اکرم خرم اور زہرہ سجاد شامل تھے۔ اسی طرح شُرکاء میں اُساتذہ، سماجی کارکن، طلبہ، صحافی اور دیگر مکاتب فکر کے لوگ شامل تھے۔ علاوہ ازیں ورکشاپ میں "ہم انسان" اور "انسانی حقوق کی صورتحال" اور "انتہا پسندی کے انسداد یا فروغ میں میڈیا کا کردار" کے نام سے دستاویزی فلمیں دکھائی گئیں اور شرکاء کے درمیان رواداری کے فروغ کے لیے گروپ ورک اور گیمز بھی کروائی گئیں۔ ورکشاپ کا آغاز ریجنل کوآرڈینیٹر عون محمد نے مہمانوں اور دیگر شُرکاء کو خوش آمدید کہہ کر کیا۔ تعارف شرکاء اور ان کی رجسٹریشن کے بعد پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ریجنل کوآرڈینیٹر عون محمد نے ورکشاپ کے ٹائم ٹیبل اور نشستوں کے دوران قواعد وضوابط سے شرکاء کو آگاہ کیا اور قبل از ورکشاپ کا استعدادی جائزہ لیا۔

اغراض ومقاصد

عون محمد

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی جانب سے آپ کا شکریہ کہ آپ اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت نکال کر ہماری درخواست پر ورکشاپ میں تشریف لائے۔ پاکستان میں شدت پسندی کے فروغ کے پس پردہ کئی عوامل کارفرما ہیں۔ ماہرین کے نزدیک بنیادی سہولیات سے محرومی، حکومتی پالیسیاں، طبقاتی تفاوت، ہتھیاروں کا پھیلاؤ، میڈیا کا فقدان اور سیاسی استحصال وہ چند وجوہات ہیں جن کے باعث شدت پسندی اور انتہا پسندی میں اضافہ ہورہا ہے۔ اور ان عوامل نے پاکستانی معاشرے کی شکست و ریخت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ترقیاتی عمل کے ذریعے شدت پسندی کے اس رجحان پر بڑی حد تک قابو پایا جا سکتا ہے، تاہم اسکے لئے ایک

> خواتین کی بڑی تعداد کو اپنی زندگی سے متعلق فیصلے کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے، اور انکے مرد رشتہ دار ہی انکی زندگیوں کا ہر اہم فیصلہ کرتے ہیں۔

جامع حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں عوام کے سماجی روّیے اس امر کے غماز ہیں کہ انکی زندگیوں میں مذہب کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ لوگوں کی اکثریت مذہبی قیادت کی سماجی امور سے متعلق رائے کو مقدم جانتی ہے۔ اسکے علاوہ عوام سماجی جمود کا شکار بھی ہیں۔ اور عوام کی بڑی تعداد ہنوز خواتین کی ملازمت کے خلاف ہے۔ اور وہ اسے اپنی مذہبی اور سماجی اقدار کے خلاف تصور کرتے ہیں۔ خواتین کی بڑی تعداد کو اپنی زندگی سے متعلق فیصلے کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے، اور انکے مرد رشتہ دار ہی انکی زندگیوں کا ہر اہم فیصلہ کرتے ہیں۔ درحقیقت ان سماجی رویوں کے باعث سماجی ترقی کا عمل متاثر ہورہا ہے اور سماجی اداروں کی اصلاح کے امکانات محدود ہو چکے ہیں۔ آپ تمام شرکاء سے گزارش ہے کہ ورکشاپ کے دوران سیکھی گئی انسانی حقوق کی تعلیم کو اپنے گھر، خاندان، سوسائٹی اور اداروں میں دوسروں تک پہنچائیں، اور انتہا پسندی کے خلاف ہماری اس کاوش میں ہمارا ساتھ دیں۔

انسانی حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار

ندیم عباس

سول سوسائٹی کا مطلب ایسا منظم طبقہ ہے جو معاشرے میں ہونے والی تبدیلیوں پر نظر رکھے جیسے کہ فلاحی تنظیمیں، مذہبی تنظیم، میڈیا ہاؤسز، ٹریڈ یونینز، بار ایسوسی ایشنز، پریس کلبز وغیرہ۔ آج کے جدید معاشرے کے تین بنیادی ادارے ہیں ریاستی ڈھانچہ، سیاسی جماعتیں اور سول سوسائٹی۔ ان تینوں کی اہمیت برابر ہے لیکن انسانی حقوق کے معاملے میں سول سوسائٹی کا کردار دوسروں سے زیادہ اہم ہے کیونکہ سول سوسائٹی ہی ریاست اور اسکے ڈھانچے میں انسانی حقوق کا تحفظ کرتی ہے۔ 1865ء میں امریکہ کی سول سوسائٹی نے امریکہ میں غلامی کی قانونی حیثیت کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ یورپ میں روشن خیالی کی تحریک کے پیچھے بھی سول سوسائٹی کا ہی ہاتھ تھا۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی مسلمانوں کی محرومیوں کو ختم کرنے میں تحریک علی گڑھ، انجمن حمایت اسلام لاہور و دیگر سول سوسائٹی کے اداروں نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔ 1948ء میں فاطمہ جناح اور بیگم رعنا لیاقت علی خان نے خواتین کو حقوق دلانے کے لئے آل وومن ایکشن فورم کے پلیٹ فارم سے کام کیا۔ 1948ء میں مسلم شریعہ قانون منظور ہوا جس کی رُو سے خواتین کو وراثت کا حق حاصل ہوا۔ اور 1956ء کے آئین میں مسلم شریعہ کے تحت خواتین کے حقوق کا باب شامل کیا گیا۔ غیرت کے نام پر قتل کے سلسلے میں 2005ء میں سزائے موت کا قانون لاگو ہوا، 1995ء میں قرآن کے ساتھ شادی کو ممنوع قرار دیا گیا۔ صائمہ ارشد کیس میں فیصلہ آیا کہ عورت ولی کی اجازت کے بغیر شادی کرسکتی ہے اسی طرح چار گواہ نہ ہونے پر حدود کا مقدمہ درج ہوتا تھا۔ 2006ء میں اس قانون میں ترمیم کردی گئی کہ اگر دیگر ذرائع سے جنہیں زیادتی ثابت ہوجائے تو اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ یہ سب سول سوسائٹی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ جنوبی پنجاب میں جاگیرداری کی وجہ سے جبری مشقت، غیرت کے نام پر قتل کے واقعات پیش آتے ہیں۔ گزشتہ سال 869 خواتین کا قتل ہوا جبکہ 14000 افراد کا ایک سال میں قتل لمحہ فکریہ ہے۔ شدت پسندی کی وجہ سے 8000 ہزار ارب روپے کا مالی نقصان ہوا اور 53000 افراد قتل ہو چکے ہیں۔ جس ملک میں 10 لاکھ افراد سالانہ سیاحت کے لئے آتے تھے، اب ایتھوپیا سے کم سیاح پاکستان آتے ہیں۔ کھیل ختم ہو کر رہ گئے ہیں۔ بین الاقوامی صورتحال میں ایک طرف انڈیا سے جنگ کے طبل بجا رہے ہیں تو دوسری طرف

ہمارے ملک میں پولیو کے 214 کیس سامنے آچکے ہیں لیکن پولیو ورکرز پر گولیاں برسائی جارہی ہیں۔ ان حالات میں پاکستانی سول سوسائٹی پراہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس پر بات کا آغاز کریں کیونکہ شدت پسندوں کے پاس دلیل نہیں ہوتی۔قائداعظم نے 11 اگست 1947ء کی تقریر میں اپنے خیالات کا اظہار وضاحت کے ساتھ کیا۔ قائد نے اعلان کیا کہ مذہب کو سیاست میں نہیں لانا چاہیئے۔ مذہب خدااورانسان کاذاتی معاملہ ہے۔اگر ہم قائد کی پیروی کرتے ہوئے مذہب کو سیاست میں گھسیٹنے سے گریز کریں اوراقلیتی معاملات کو بحیثیت سیاسی مسائل تسلیم کریں تو اسکے نتیجے میں تمام شہریوں کی زندگی سہل اور آسان ہو جائے گی۔اگر ہمارے ہاں مساویانہ حقوق کے ساتھ شہریوں کو پاکستانی تسلیم کرنے کی روایت قائم ہوتی تو اس روایت نے حکومت اور پاکستان کے عوام کواس بات کی ترغیب دی ہوتی کہ وہ پروفیسر عبدالسلام کی بطورایک عظیم پاکستانی سائنسدان عزت واحترام کریں۔اگرآپ پاکستانی باشندوں کے ساتھ بطور پاکستانی شہری سلوک کریں نہ کہ بطور مسلم، ہندو، مسیحی، اور اچھوت شناخت نہ کریں تو پاکستان میں عدم رواداری ختم ہوجائے گی۔جناح کا پاکستان واپس لانے کے لئے ہمیں ایک انقلابی عمل سے گزرنا ہوگا اور یہ عمل قوم کی ذہنیت تبدیل کرنے کا ہے۔اوراسے یقینی بنانے کی خاطر ہمیں اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کرکوششیں کرنی ہونگی۔

شرکاء میں سے شازیہ نے سوال کیا کہ کشمیرایشو پرانڈیا بین الاقوامی سمجھوتوں پر عملدرآمد کیوں نہیں کرتا جس کے جواب میں سہولت کار نے کہا کہ ہم سب کوبعض کڑوی حقیقتوں کا ادراک کرلینا چاہیئے کہ کشمیرایک متنازعہ علاقہ ہے اور کشمیریوں نے ابھی تک فیصلہ نہیں کیا کہ وہ کیسے رہنا چاہتے ہیں لہذااس بات کو بہانہ بنا کرانڈیا سے جنگ کرنا دانش مندی نہیں ہے۔

میڈیا کیا ہے اسکی مختلف اقسام بدلتے ہوئے رجحانات اورانتہا پسندی کے انسداد یا فروغ میں میڈیا کا کردار

ملک ماجد

سہولت کار نے اپنے موضوع پر گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ ہماری زندگی میں میڈیا کا لفظ بہت کثرت سے استعمال کیا جارہا ہے۔میڈیا دراصل ایک ذریعہ ہے جس سے ہمیں علم، اطلاعات اور تفریح مہیا کی جاتی ہے۔میڈیا کی مختلف اقسام ہیں جن میں سرفہرست الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا ہیں۔ایک نئے میڈیم کا بھی ہمیں سامنا ہے اور وہ ہے انٹرنیٹ سوشل میڈیا۔سوشل میڈیا کے کچھ فائدے اور کچھ نقصانات ہیں۔فائدہ یہ ہے کہ ہرکسی کواظہاررائے کی آزادی مساوی طور پر ملتی ہے جبکہ نقصان یہ ہے کہ صرف پڑھی لکھی کلاس ہی اس میڈیا کواستعمال کرسکتی ہے۔اسکی واضح مثال آج کل داعش اور ISI کی طرف سے شام میں جہاد کے لئے لوگوں کودعوت نامے کا سوشل میڈیا کی ویب سائٹس فیس بک پراپ لوڈ ہونا ہے۔ایسی posts کی کچھ لوگ مذمت کرتے ہیں جبکہ وہ لوگ جو ایک جیسی ذہنی مطابقت رکھتے ہیں اس طرح کی posts سے متاثر اور اپنے اردگرد کے لوگوں کی ذہن سازی کررہے ہیں۔

پاکستان میں الیکٹرانک میڈیا یعنی ریڈیواور پاکستان ٹیلی ویژن سرکاری اختیار میں ہے۔اس نے ماضی میں ہمارے معاشرے کو مذہبی شدت پسند بنانے میں اہم کردارادا کیا ہے۔

پاکستان میں الیکٹرانک میڈیا یعنی ریڈیواور پاکستان ٹیلی ویژن سرکاری اختیار میں ہے۔ اس نے ماضی میں ہمارے معاشرے کو مذہبی شدت پسند بنانے میں اہم کردارادا کیا ہے۔سرکاری میڈیا نے اجارہ داری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سرکاری اشاروں پرایک شرمناک کردارادا کیا جسکا نتیجہ آج ہماری قوم جانی اور مالی نقصان کی صورت میں اٹھارہی ہے۔اس میڈیا نے ایک خاص اسلامی نقطہ نظر پیش کیا اور برسوں تک لوگوں کی ذہن سازی کی جیسے اس سے بڑھ کر ثواب کا کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا۔بوئی گئی فصل کا پھل جب ہمیں واپس ملنے لگا تو ہم نے 50 ہزار جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔آج بھی سرکاری میڈیا کے دل میں عسکریت پسندوں اور انتہا پسندوں کے لئے نرم گوشہ موجود ہے۔حالیہ سیاسی اور عسکری کشیدگی پر ہم غور کریں تو واضح ہو جاتا ہے کہ طالبان کے ساتھ مذاکرات کرنے کے لئے سب سے زیادہ وکالت سرکاری میڈیا کی طرف سے ہی کی گئی۔

برطانوی سامراج نے برصغیر میں پشاور کے شہر میں تقسیم ہند سے پہلے ریڈیواسٹیشن قائم کیا تھا اوراس ریڈیواسٹیشن نے تقسیم ہند سے پہلے ہی پشاور کے علاقے میں لوگوں کو مذہبی انتہا پسند بنانے کے لیئے موادنشر کرنا شروع کردیا تھا اور جب پاکستان بن گیا تو سرکاری سطح پر یہ ذمہ داری اس اسٹیشن کوسونپی گئی۔ ایسی کیا وجوہات تھیں کہ دوسری جنگ عظیم میں سب سے پہلے اورسب سے آگے اس خاص خطے کے لوگ صف بند تھے؟ اگر میڈیا کی اتنی اہمیت نہ ہوتی تو کیوں فضل اللہ نے سوات پر قبضے کے بعد اپنی خاص مذہبی اور دہشتگردی کی تبلیغ کے لیئے FM ریڈیواسٹیشن کا سہارالیا۔اس میڈیا کو فضل اللہ نے یوں استعمال کیا کہ سوات کے لوگ اسکی باتوں کے قائل ہو گئے اور اپنے نوجوان لڑکوں کو نام نہاد جہاد میں دھکیل دیا۔پھر جب فضل اللہ کے پیش کردہ جہاد کی اصلیت لوگوں پر آشکار ہوئی تو لوگ منکر ہوگئے اوراس خاص سوچ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

سرکاری میڈیا نے ہمیشہ ملک کے اندرونی اور بیرونی حالات کا نرم امیج ہی پیش کیا ہے۔ہمیشہ اچھی خبریں لگادی جاتی ہیں۔سرکاری سطح پرکوشش کی جاتی ہے کہ ہروہ خبر لگائی جائے جو حکومت یا پھر ملک کے مفاد میں ہو۔سرکاری میڈیا کو سیاسی جماعت کنٹرول کرتی اور سرکاری میڈیا پر حکومتوں پرتنقید کرنا بھی گناہ تصور کیا جاتا ہے۔دوسری طرف نجی میڈیا کا کردار دیکھا جائے تو وہ بھی تقریباً ایسا ہی نظرآتا ہے۔مثلاً پیپلز پارٹی کے دور میں میڈیا نے شدید تنقید کی اور دوسری طرف حالیہ حکومت کے دور میں نجی ٹی وی کوئی خاص تنقید نہیں کررہا اور طالبان سے مذاکرات کے سلسلہ میں بھی بہت نرمی دکھائی گئی ہے۔جتنا وقت شمالی وزیرستان کے آپریشن ضرب عضب کوشروع کرنے کے فیصلہ میں لگا اس دوران طالبان کی اہم قیادت نقل مکانی کر کے علاقے چھوڑ چکی تھی۔اسطرح میڈیا نے بہت ہی منفی کردارادا کیا اورقوم کو دوحصوں میں تقسیم کردیا۔کچھ کا خیال تھا کہ آپریشن ہونا چاہیے اور کچھ کا خیال تھا کہ مذاکرات کر کے ان کے ہاتھ مضبوط تو نہیں کر دیں گے۔دراصل طالبان کی حمایت کرنے والا طالبان کی سی سوچ رکھتا ہے۔

میڈیا کی ذمہ داریوں میں یہ شامل ہے کہ کسی بھی ایسی معلومات یا خبر کونشر ہونے سے روکا جائے جس سے معاشرے میں افراتفری، انتہا پسندی کے فروغ یا ملکی مفاد کے خلاف کسی سرگرمی کا اندیشہ ہو۔مگر ہمارے ہاں دیکھنے میں آیا ہے کہ میڈیا طالبان کا ترجمان بنا ہوا ہے۔مثلاً طالبان کے ساتھ مذاکرات کرنے کے دور میں ایک نجی ٹی وی چینل کے پھرایک معروف صحافی نے عبدالعزیز غازی کو طالبان کی ترجمانی کرنے کے لئے بلایا اور اس پروگرام میں غازی صاحب آئین پاکستان پینل کوڈ اور دیگراہم قانون کی کتابوں کے مسودے اٹھائے ہوئے کہہ رہے تھے کہ سب انگریز کا نظام ہے۔پاکستان کی بنیاد ہی غلط ہے اور وہ اس آئین اورقانون کو نہیں مانتے۔افسوس کی بات یہ ہے کہ ملک کے خلاف ہونے والی باتیں براہ راست نشر ہورہی تھیں۔اب اس کا اثر کیا ہوا؟

اگر ہم غور کریں تو ایران کے انقلاب میں بھی میڈیا کو بہت زیادہ حد تک استعمال کیا گیا۔اور اب ہمارے ہاں طالبان نے جنت کی منظر کشی کے لئے استعمال کیا اور خودکش

بمباروں کی ذہن سازی بھی کی۔ دوسری طرف کچھ خاص ویڈیوز اور تصاویر دکھا کر نوعمر لڑکوں کو قائل کیا گیا کہ ان کے اردگرد رہنے والے کافر ہیں اور یہ تکفیری سوچ پیدا کر کے ان لڑکوں کو خودکش حملوں کی تربیت دی گئی۔ اگر ہم میڈیا کے لوگوں کی انفرادی سطح پر بات کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ خاص حالات میں بہت اہم کام بھی کیا گیا ہے۔ جیسے صحافی سلیم شہزاد کو صرف اس لئے قتل کر دیا گیا کیونکہ اس نے پی، این ،ایس مہران بیس پر ہونے والے حملے کی حقیقت بتائی مگر قتل کے بعد کی تفتیشی رپورٹ نے یہ ثابت کر دیا کہ سلیم شہزاد کی صحافت سچ پر مبنی تھی۔

اس وقت ہمارے میڈیا کو بھی طالبان کی سوچ رکھنے والے خاص گروہ نے قابو میں لے رکھا ہے اور اسی سوچ کی بنیاد پر وہ چیزیں نشر کی جاتی ہیں جن سے دہشتگرد اور شدت پسند جماعتوں کا پیغام نشر کیا جاتا ہے تاکہ ان جیسی سوچ رکھنے والوں میں طالبان کا سافٹ امیج بنایا جا سکے اور ایسے لوگوں کی مدد کی جا سکے، مثلاً کراچی ہوائی اڈے پر دہشت گردی کی کارروائی کی براہ راست رپورٹنگ کا فائدہ حملہ آوروں کو ہی ہوا کیونکہ وہ ٹی وی پر پولیس کی بدلتی ہوئی صورتحال کو دیکھ رہے تھے اور اس کے حوالے سے اپنی نئی حکمت عملی ترتیب دے رہے تھے جبکہ دوسری طرف میڈیا حملہ آوروں اور انکی لوکیشن نہیں دکھا رہا تھا۔

سوال: میڈیا کی سیاسی جانب داری سے کیا اثر پڑتا ہے؟

جواب: میڈیا جب سیاسی جانب داری کی بنیاد پر صحافت کرتا ہے تو ایک سیاسی جماعت کے خلاف صحافت کر رہا ہوتا ہے جس سے اس سیاسی جماعت کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ اس طرح یہ صحافی اس پارٹی کے خلاف ذہن تیار کرتا ہے جس سے اس پارٹی کو انتخابات میں نقصان پہنچتا ہے۔

سوال: حکومتوں کی کارکردگی بہتر کرنے کے لیئے میڈیا کو کیا کردار ادا کرنا چاہیے؟

جواب: میڈیا کا ایک کردار Watch Dog کا ہوتا ہے اور یہ ایک اہم کردار ہے۔ ہمارے ہاں میڈیا جانب داری سے کام لے کر اس ذمہ داری سے منہ موڑ لیتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ میڈیا کو watch dog کے طور پر کام کرتے ہوئے حکومت کی کارکردگی پر تنقید کرنی چاہیے تاکہ حکومت اچھے طریقے سے کام کر سکے۔

سوال: سرکاری اور حکومتی ایجنڈے میں فرق کیوں ہوتا ہے؟

جواب: سرکاری ایجنڈا ایک ریاست کے ایجنڈے کا حصہ ہوتا ہے جبکہ حکومتی ایجنڈا سیاسی جماعت کا اپنا ہوتا ہے۔ ریاست کے ایجنڈے کے مطابق بھارت ایک دشمن ہے جبکہ موجودہ حکومت کے ایجنڈے کے مطابق ہمسایہ ملک سے تجارت کرنی چاہئے کیونکہ یہ حکومت جمہوری نہیں بلکہ کاروباری حکومت ہے۔

اس سیشن میں ایک وڈیو ڈاکومینٹری دکھائی گئی جس میں میڈیا کی رپورٹنگ کے انداز کو دکھایا گیا کہ اس کی رپورٹنگ سے کب اور کس طرح انتہا پسندی کو فروغ ملتا ہے اور اس میں صحافت کے گیٹ کیپر کے فرائض ادا نہ کرنے کی وجہ سے کس طرح مسائل جنم لیتے ہیں۔

مذہبی و مسلکی رواداری کا فروغ اور نفرت تعصب کے انسداد کے لیے لائحہ عمل

ایوب ساجد

سہولت کار نے 11 اگست 1947ء کی قائداعظم کی تقریر کا حوالہ دیا کہ اس میں قائداعظم نے پاکستان کی آئیڈیالوجی بیان کی لیکن اس تقریر کو قوم سے چھپایا گیا اور سلیبس سے نکال دیا گیا کیونکہ بعض لوگ قائد کا پاکستان نہیں دیکھنا چاہتے تھے پہلی قانون ساز اسمبلی کے سپیکر جوگندر ناتھ منڈل تھے اور 12 سے زائد ہندو اس اسمبلی میں پاکستان کی حمایت میں پورے جوش وجذبے کے ساتھ موجود تھے اور وہ 1949ء تک اس وقت تک متحرک رہے جب تک قرارداد مقاصد منظور نہیں ہوئی۔ قرارداد مقاصد کے ذریعے کچھ ایسی چیزیں پاکستان کی نظریاتی ساخت میں شامل کر دی گئیں جو قائد کی 11 اگست والی تقریر کے خلاف تھیں اس کے بعد وہ لوگ پاکستان سے مایوس ہوگئے۔ مذہبی رواداری ختم ہوگئی پاکستان کے قائم ہوتے وقت ملک میں 25% اقلیتیں موجود تھیں جن میں 25000 ہزار یہودی بھی تھے۔ پاکستان بنانے میں شریک اقلیتیں اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگیں جبکہ ایس پی سنگھا سپیکر پنجاب اسمبلی نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا تھا۔ 1977-88 کے مارشل لائی دور میں بہت سے مذہبی، نسلی اور علاقائی مسائل نے جنم لیا۔ 1972ء میں حکومت نے تمام نجی اداروں کو قومی تحویل میں لے لیا۔ جس سے اقلیتوں میں اپنے اثاثہ جات کے غیر محفوظ ہونے کا احساس پیدا ہوا۔ بعد میں جب بعض ادارے واپس ملے تو ان کی حالت قابل رحم تھی۔ 1985ءمیں اسرائیل میں چند گروپوں نے مسجد اقصیٰ پر قبضہ کرلیا جس کے ردعمل میں پاکستان میں چرچ پر حملہ ہوا۔ اسی طرح بے بنیاد الزامات لگا کر شانتی نگر میں مسیحیوں کی بستی پر حملہ کر دیا اور اسے صفحہ ہستی سے ہی مٹا دیا ایک سلائیڈ کی مدد سے بتایا گیا کہ پرامن معاشرے کے قیام کے لئے انصاف کے تین اہم جزو ہیں بنیادی حقوق، سچائی اور معقولیت۔ کیونکہ ہر شخص کیلئے بنیادی حقوق کی پاسداری اور تحفظ ضروری ہے اور امن کی پامالی دراصل ناانصافی ہے۔ انصاف کے حصول کے لئے سچائی اور معقولیت کا استعمال نہایت ضروری ہے۔ انصاف پر مبنی انسانی اور خوشحال معاشرہ کے لئے ایسے حالات کو پیدا کرنا اور برقرار رکھنا ضروری ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں دنیا گلوبل ولیج بن چکی ہے تو اس کا اثر ہم سب پر پڑ رہا ہے۔ ہمیں سوچنا ہوگا کہ دنیا کے دیگر ممالک میں جو شہری سہولیات ہیں ان کے مطابق اگر ہمارے بھی حقوق ان جیسے ہوں تو ہم بھی امن سے رہ سکتے ہیں۔ جب کوئی پیدا ہوتا ہے تو وہ محض انسان ہوتا ہے۔ مذہب لبادہ بعد میں پہنتا ہے۔ ہمارا معاشرہ اس وقت کافر ہونے کے فتوے تو لگاتا ہے لیکن انسان ہونے کی توقیر کا خیال نہیں کر رہا۔ امن کی فضا میں آپ دیگر لوگوں سے مکالمہ کریں گے تو آپ کو ان کی خوبیوں کا اندازا ہوگا۔ جنگ کی حالت میں ایسا نہیں ہوسکتا لوگ اللہ کے لئے لڑنے کو تیار ہیں لیکن اللہ کو جاننے کو تیار نہیں۔ لوگوں کے اندر محبت عقل دانش کا اس وقت پتا چل سکتا ہے جب امن ہو۔ امن دل سے محسوس کی جانے والی چیز ہے۔ اگر دل امن کا احساس دے تو سمجھو امن ہے ورنہ نہیں۔ کینیڈا کی مثال ہے کہ وہاں 60-70 فی صد لوگ گھر سے نکلتے ہوئے گھروں کو تالے نہیں لگاتے۔ انہوں نے قرآن بھگوت گیتا، انجیل مقدس، کی تعلیمات کا حوالہ دتے ہوئے بتایا کہ تمام مذاہب نے امن کی تعلیم دی ہے لہذا انسانی حقوق کے لئے کام کرنے والوں کے کندھوں پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ انتہا پسندی کے خاتمہ اور مذہبی ،مسلکی تعصبات کے خاتمہ میں اپنا کردار ادا کریں۔ اس سلسلہ میں ایک سلائیڈ کی مدد سے امن و مصالحت کے مختلف طریقے واضح کئے گئے جن میں قیام امن بذریعہ بین المذاہبی مکالمہ، قیام امن بذریعہ ابلاغ عامہ اور مؤثر رابطہ، قیام امن بذریعہ ترقیاتی شعبہ جات اور بحالی، قیام امن بذریعہ تبادلہ وفود (یوتھ، خواتین، سٹوڈنٹس، سٹڈی گروپس، اور مشترکہ سرگرمیاں)، قیام امن بذریعہ پیروکاری عدم تشدد، شہریوں کی مشترکہ جدوجہد، قیام امن بذریعہ تحقیق اور قیام امن بذریعہ سہل کاری، مثبت مکالمہ اور ثالثی کردار شامل تھے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہم سب کو ریاست پر زور دینا ہوگا کہ وہ متنازع مسائل پر نظر ثانی کرے متنازع

میٹریل کو روکے دوسرے مذاہب کو پڑھنے کی اجازت دی جائے۔

شرکا میں سے ایک شریک کار مجید نے کہا کہ ایک مسیحی شہید کیسے ہوسکتا ہے تو اس کا جواب سہولت کار نے دینا چاہا تو ایک دوسرے شریک کار نے اجازت طلب کی اور اس دوست کو بتایا کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق شہید ہے کیونکہ اس نے ملک وقوم کی خاطر اپنی جان قربان کی ہے۔سیشن میں ملٹی میڈیا کے علاوہ انٹرایکٹو طریقہ کار اختیار کرنے کی وجہ سے شرکا کی دلچسپی آخر تک قائم رہی۔

انتہا پسندی کے انسداد میں ادب.ادیب اور فنون لطیفہ کا کردار

فرخ رضا

انتہا پسندی کیا ہے جس کے جواب میں مختلف آراء سامنے آئیں۔پھر سلائیڈ کی مدد سے سہولت کار فرخ رضا نے چند سطروں میں اس کی تعریف دکھانے کی کوشش کی۔انہوں نے کہا کہ انتہا پسندی عقائد ونظریات میں عدم توازن کا نام ہے جو عدم برداشت کو جنم دیتا ہے۔انتہا پسندی خود کو''حق''اور دوسروں کو''باطل''سمجھنے کی سوچ کا نام ہے۔انتہا پسندی ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے جس میں ایک فرد یا گروہ خود کو بالاتر اور محتسب سمجھتا ہے۔انتہا پسندی سیاسی، معاشی اور معاشرتی تفاوت کے نتیجے میں رویوں میں عدم توازن پیدا ہونے اور تشدد کی طرف مائل ہونے کا نام ہے۔اس کے بعد ایک سلائیڈ کی مدد سے بتایا گیا کہ انتہا پسندی کی وجوہات کیا ہیں۔

ریاست کی نظریاتی شناخت: ریاست جو مائنڈ سیٹ تیار کرتی ہے شہری اسی کو درست سمجھنے لگتے ہیں

مذہب کی غلط تشریح: مختلف لوگوں کی طرف سے مذہب کو اپنے انداز میں پیش کرنے سے بھی ایک مذہب کے ماننے والے دوسروں کو جینے کا موقع نہیں دیتے۔

فرقہ واریت: فرقہ واریت نے بھی انتہا پسندی کو فروغ دیا کیونکہ ایک فرقہ کو ماننے والے کسی صورت بھی دوسرے مسلک کی تعلیمات کو درست سمجھنے کے لئے تیار نہیں

طبقاتی نظام: معاشرتی نظام نے لوگوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا جس سے ایک طبقہ دوسرے کو زندہ رہنے کا حق دینے کو تیار نہ ہوا۔

سیاسی جبر: 1980ء کی دہائی میں ریاستی جبر نے سیاسی انتہا پسندی کو فروغ دیا کیونکہ مقامی سطح پر ہونے والے ڈرامے ختم ہو کر رہ گئے۔

جہالت: عقل اور منطق کے رویوں کے فقدان نے بھی انتہا پسندی کو فروغ دیا ایک پروفیسر کو کراچی میں اس وجہ سے قتل کر دیا گیا کہ انہوں نے مذہب کے حوالے سے ایک بے ضرر سی بات کہہ دی تھی۔ان سب حالات نے جہاں دیگر شعبوں کو متاثر کیا وہاں ادیب شاعر اور فنکار بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔جب معاشرے میں ثقافتی گھٹن بڑھی تو ان کا وہ کردار بھی معدوم ہو گیا۔ادیبوں اور شاعروں کی تحریروں میں لوگوں کے لئے جو امید اور آس موجود ہوتی تھی اپنی مرضی کی تشریح کرنا شروع کر دی۔اس میں تبدیلی آنے لگی، اور یوں فنون لطیفہ کے تمام شعبوں میں تبدیلی دیکھی گئی۔انتہا پسندانہ شاعری اور تحریریں سامنے آنے لگیں چنانچہ شدت پسندوں نے اپنی مرضی کی تشریح کرنی شروع کر دی۔80ء کی دہائی میں ادیبوں نے حق کہنا چھوڑ دیا۔چند ایک کے علاوہ باقی کو اپنا قلم روکنا پڑا۔اس کی کیا وجوہات ہیں ایک مختصر سے سروے میں کچھ ایسا سامنے آیا کہ انتہا پسندوں سے خوف، ریاستی دباؤ، مسئلے کی حساسیت سے لاعلمی، لاتعلقی اور بے حسی اور سماجی عمل سے دوری اس کی وجوہات ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس صورتحال میں کیا کیا جائے اور وہ کون سی تجاویز ہوسکتی ہیں تو اس حوالے سے ایک سلائیڈ کے ذریعے واضح کیا گیا ہے کہ روشن خیالی کے فروغ، ریاست کے سیکولر تشخص، سماجی ومعاشی مطابقت کے خاتمے، جمہوریت کے تسلسل، تعلیم ومطالعہ کے فروغ، ثقافت کے فروغ اور میڈیا کے متوازن کردار کے ذریعے یہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اس میں خصوصاً ادیب کا کیا کردار ہوسکتا ہے اس بارے بھی ایک سلائیڈ سے واضح کیا گیا کہ علم وادب کے ذریعے برداشت اور رواداری، شاعری اور نثر نگاری کے ذریعے انسانی اقدار اور سماجی میل جول کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔

انہوں نے کہا کہ مقامی سطح پر انسانی حقوق کے کارکن اپنے علاقے میں موجود شاعر، ادیب، گلوکاروں اور اداکاروں کے بارے میں معلومات جمع کریں۔کارکن ان شخصیات سے قریبی رابطہ قائم کریں اور انہیں اپنے فن کو سماج میں انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے استعمال کرنے پر آمادہ کریں، ان شخصیات تک وہ معلومات پہنچائیں جس سے ان میں انتہا پسندی کے اثرات سے آگاہی بڑھے، اپنے علاقے میں ادبی تنظیموں کو مشاعرے کروانے پر راغب کریں، امن، بھائی چارے، مساوات، انسانی اقدار کے فروغ کے لئے سٹریٹ تھیٹر کو فروغ دیں اور ادیبوں کو ایسے مضامین لکھنے کے لئے آمادہ کریں جن سے انتہا پسندی کے خیالات وجذبات کو فرو کیا جاسکے۔

آخر میں شبانہ اللہ دتہ نے سوال کیا کہ اس وقت ہمارا ادیب شدت پسندی کے خاتمے کے لئے اپنا اصل کردار ادا کر رہا ہے تو سہولت کار نے جواب دیا کہ نہیں اس کردار کو ادا کرنے کے لئے سول سوسائٹی کو اس کی حوصلہ افزائی کرنا ہوگی۔

انتہا پسندی کیا ہے، اسکی مختلف اقسام، ہمارے زندگی پر اثرات اور ان کی روک تھام کے لیے لائحہ عمل

اکرم خرم

آج ہم وہ سابقہ معیارات جو انسانی حقوق اور شدت پسندی کے بارے میں کسی اور نے طے کئے ہیں، سے انکار کرتے ہوئے اپنے معیارات کے مطابق فیصلہ کریں کہ انتہا پسندی کیا ہے اس سے ہم کیسے متاثر ہو رہے ہیں۔ہوسکتا کہ ہمارے نتائج بھی وہی ہوں جو پہلے سے طے ہیں اور مختلف بھی ہوسکتے ہیں۔سہولت کار نے فلیش کارڈز تقسیم کیے اور کہا کہ ہر شریک کار اس پر اپنی سوچ کے مطابق انتہا پسندی کے تعریف لکھیں ہر ایک کارڈ پڑھا گیا اور آخر میں اس سے جو اجتماعی تعریف سامنے آئی وہ یہ تھی کہ انتہا پسندی ہے یہ کہنا کہ جو میں کہتا ہوں صرف وہی درست ہے اور باقی سب غلط ہے۔اس کے بعد دوسرے فلیش کارڈ پر شرکاء سے کہا گیا کہ وہ تحریر کریں کہ انتہا پسندی کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ان کارڈز کو باری باری پڑھا گیا تین کارڈز پر یہ فوائد سامنے آئے کہ انتہا پسندی سے امن ہوگا، اپنا مقصد حاصل کرنے میں مدد ملے گی اس پر شدت پسندی کو بطور نتیجہ سامنے رکھ کر شرکاء سے پوچھا گیا کہ کیا اس سے امن ہوسکتا ہے یا مقاصد تک پہنچا جاسکتا ہے تو شرکاء نے یک زبان جواب دیا کہ نہیں اس سے تو انتشار ہی ہوگا دیگر تمام کارڈز کو دیکھنے کے بعد شرکاء نے نتیجہ اخذ کیا کہ انتہا پسندی معاشرے میں صرف انتشار پھیلاتی ہے۔

سہولت کار نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ انتہا پسندی کی کئی اقسام ہیں لیکن میں صرف چند ایک پر بات کرنا چاہوں گا۔جن میں معاشی انتہا پسندی، سماجی انتہا پسندی، سیاسی انتہا پسندی، اور مذہبی انتہا پسندی شامل ہیں۔

معاشی انتہا پسندی: اس میں قبائل گروہ، طبقہ، قوم یا قبیلہ مارکیٹ یا کسی مخصوص علاقے میں جاری معاشی سرگرمیوں میں دیگر اقوام، قبائل یا طبقوں کی شراکت کو پسند نہیں کرتے تشدد اور دیگر ذرائع سے ان اقوام یا گروہ یا قبائل کو معاشی سرگرمیوں سے بے دخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سماجی انتہا پسندی: اس میں ماں، باپ، بچے، بچیوں کی شادی اور تعلیم کے فیصلے انکی مرضی اور خواہشات کے خلاف کرتے ہیں اور سماج میں کم آمدنی والے لوگوں کو کم تر سمجھنے والے سماجی انتہا پسندی کا شکار ہیں۔

سیاسی انتہا پسندی: اس میں سیاسی مفادات اور فکرو نظریات سے متعلق دوسرا نظریہ رکھنے والوں سے برتر سمجھا جاتا ہے، جیسے لبرل، ترقی پسند، کمیونسٹ اور بائیں بازو، مذہبی قوم

پرست اور دائیں بازو کی سوچ رکھنے والوں کے لئے رکھتے ہیں۔ان میں ہرکوئی دوسرے کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔

مذہبی انتہا پسندی: اس قسم کی انتہا پسندی میں ایک عقیدے سے تعلق رکھنے والے لوگ یا گروہ اپنے مذہبی عقیدے کو دوسروں کے عقیدے سے اعلیٰ اور معتبر سمجھتے ہیں۔ چارلس ایس لیبن نے اپنی کتاب میں مذہبی انتہا پسندی کو دو درجوں میں تقسیم کیا ہے، مذہبی قانون یا شریعت کا پھیلاؤ: اسمیں ایک مسلک یا عقیدے پر ایمان رکھنے والے دیگر لوگوں کی فلاح اور آخرت کی بہتر زندگی کے نام پر اپنے عقائد، خیالات اور نظریات دوسرے لوگوں تک پھیلانا چاہتے ہیں۔ دوسری قسم سماجی علیحدگی کی ہے جسمیں ایک مذہب، مسلک یا فرقہ کے ماننے والے خودکو سماج کی دیگر اقوام، افراد یا گروہ بر تر سمجھ کر علیحدہ رہتے ہیں۔ اس انتہا پسندی نے ہمارے ملک کو بہت نقصان پہنچایا ہے جبکہ ہمارے آئین میں تمام اقلیتوں کو برابر کے حقوق حاصل ہیں جبکہ دوسری طرف وہی آئین کہتا ہے کہ کوئی غیر مسلم صدر پاکستان نہیں بن سکتا یہ ایک بڑا تضاد ہے اپنے شہروں میں میزائیل کے ماڈل لگا کر ہم نے کیا پیغام دیا ہے کہ ہم لڑنے کو پسند کرتے ہیں۔

ایک شریک کار آصف نے سوال کیا کہ بلوچستان میں کیا ہے تو سہولت کار نے کہا کہ جہاں ریاست کے جبر کا ردعمل ہو وہاں ریاست شدت پسندی کی ذمہ دار ہے تاہم کچھ عناصر لسانیت کی بنیاد پر شدت پسندی کو ہوا دے رہے ہیں۔ہم اس کی مذمت کرتے ہیں۔لہٰذاانسانی حقوق کے کارکن کی حیثیت سے ہمیں پاکستان کو خوشحال بنانے کے لئے ہمیں جدوجہد کرنا ہوگی جس پر تمام شرکاء نے متفقہ طور پر عزم کا اظہار کیا۔

جمہوریت اور انسانی حقوق، انسانی حقوق اور معاشی ترقی کے مابین تعلق

زہرہ سجاد

زہرہ سجاد نے ان مشکلات کا تذکرہ کیا جو HRCP کو پاکستان میں جمہوریت کے فروغ کے لئے کام کرتے ہوئے درپیش ہیں۔HRCP کی رپورٹ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ بہت ہی اہم ہوتی ہے ریاست کے لئے رہنما اصول فراہم کرتی ہے لیکن پاکستان میں حکومت اسے نظر انداز کردیتی ہے میں سمجھتی ہوں کہ وہ جمہوریت تب تک مکمل نہیں ہوسکتی، پائیدار نہیں ہوسکتی جب تک جمہوری حکومت انسانی حقوق کا خیال نہیں رکھتی۔حکومت مستحکم نہیں ہوسکتی جب تک وہ اپنے شہریوں کو ان کے بنیادی حقوق فراہم نہیں کرتی۔ بنیادی انسانی حقوق کے چارٹر کا بتایا کہ یہ 10دسمبر 1948ءکو جاری ہوا اور پاکستان میں 1973ء کا قانون متفقہ آئین ہے جسے تمام سیاسی پارٹیوں نے منظور کیا تھا اس آئین کا آرٹیکل 8 تا 28 بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت فراہم کرتا ہے اور یہ وہ حقوق ہیں جو کسی صورت معطل نہیں کئے جاسکتے یہ حقوق عالم گیر ہیں اور یہ ماں کے پیٹ میں موجود بچے کو بھی حاصل ہیں۔انہوں نے جمہوریت کی مضبوطی کے لئے کہا کہ غیر مراعات یافتہ طبقہ کو سہولتیں فراہم کرنا ضروری ہے ان میں اقلیتیں، معذور افراد، خواجہ سرا، وہ غریب طبقہ ہے، جن کو بنیادی حقوق حاصل نہیں۔جمہوریت کا پہلا اصول ہے کہ معاشرے کے تمام

ایک وقت تھا جب ہندو مسلم، مسیحی مسلم ڈائیلاگ ہوتے تھے جب سے مکالمہ کا راستہ بند کیا گیا ہے اس وقت سے امن ختم ہوکر رہ گیا ہے لہٰذا اب وقت کی اہم ضرورت ہے سول سائٹی سامنے آئے اور ملک میں جمہوریت کے استحکام، بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ اور اس کے نتیجہ میں ملک کو مضبوط معیشت کے راستے پر گامزن کرے۔

طبقات کو برابری کی بنیاد پر حقوق فراہم کئے جائیں۔موجودہ حکومت پر بات کرتے ہوئے زہرہ نے کہا کہ کیا یہ ایسے منصوبے بنا رہی ہے جس سے عوام کی زیادہ تعداد کی بجائے محدود لوگ فائدہ اٹھا رہے۔شرکاء کی اکثریت نے کہا ہاں ایسا ہی ہے یہ بہتر جمہوریت نہیں ہے۔بہتر جمہوریت کے لئے ضروری ہے تمام ریاستی اداروں کے کام میں توازن ہو کراچی اور حیدرآباد میں جینے کا بنیادی حق تک محفوظ نہیں جس کی وجہ سے وہاں معاشی نظام تباہ ہو رہا ہے گوجرہ اور دیگر مقامات پر اقلیتوں کو نشانہ بنایا گیا جس سے ریاست کمزور ہوئی ہم ہر بات کو مذہب سے متعلق کیوں کردیتے ہیں اگر حکومتیں مذہب کو ریاست سے الگ کردیں تو ملک میں امن کی صورتحال بہتر ہوسکتی ہے۔ایک وقت تھا جب ہندو مسلم، مسیحی مسلم ڈائیلاگ ہوتے تھے جب سے مکالمہ کا راستہ بند کیا گیا ہے اس وقت سے امن ختم ہوکر رہ گیا ہے لہٰذا اب وقت کی اہم ضرورت ہے سول سائٹی سامنے آئے اور ملک میں جمہوریت کے استحکام، بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ اور اس کے نتیجہ میں ملک کو مضبوط معیشت کے راستے پر گامزن کرے۔

سیدہ فاطمہ نے سوال کیا کہ ملک میں میرٹ کیسے لایا جا سکتا ہے جس پر زہرہ سجاد نے بتایا کہ جب ہم اپنے حق کے لئے آواز بلند کرنا شروع کریں اور وہ آواز منظم ہونی چاہئے تک ہی ممکن ہوگا۔

ورکشاپ کے اختتام پر شرکاء کا ایک بار پھر استعدادی جائزہ لیا گیا اور فالواپ میکنزم عون محمد نے سمجھایا، بعدازاں تقسیم اسناد کی تقریب منعقد ہوئی اور شرکاء نے ایک دوسرے کو اسناد دیں۔اس کے علاوہ شرکاء کی جانب سے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کا شکریہ ادا کیا اور مزید ورکشاپ کے اہتمام کی اپیل کی گئی۔

نتائج

☆ شرکاءکوانسانی حقوق سے متعلق علم میں اضافہ ہوا۔
☆ شدت پسندی کے تصورات میں بہتری ہوئی۔
☆ ریاست کے ڈھانچہ کو جان گئے۔
☆ اپنی کمیونٹی کو انسانی حقوق کی تعلیم دینے کے قابل ہوئے۔
☆ منظم کام کی اہمیت اور افادیت جان گئے۔
☆ کمیونٹی کیلئے انسانی حقوق کی ترویج اور امن کے فروغ کا شوق پیدا ہوا۔

ضلع/تحصیل کی سطح پر انسانی حقوق کی صورتحال کا جائزہ

1۔تحصیل کا نام: کبیروالا ضلع خانیوال

2۔ضلع/تحصیل کی آبادی۔: پانچ لاکھ

3۔کبیروالا میں کون سے انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں زیادہ ہوتی ہیں؟

جبری مشقت، خواتین کے حقوق کی سلبی اور پامالی، بغیر FIR تھانوں میں لوگوں کو محبوس کرنا، سیاسی مخالفین کو دبانا، چائلڈ لیبر، جاگیردارانہ نظام، جہالت۔

4۔کبیروالا میں ان خلاف ورزیوں کی وجوہات کیا ہیں؟

جاگیردارانہ سسٹم، حقوق سے عدم آگاہی، غیر منصفانہ روّیے، تعلیم کی کمی، حکومتی کرپشن، سیاسی اور مذہبی انتہا پسندی

5۔کبیروالا میں کس قسم کی انتہا پسندی پائی جاتی ہے؟

مذہبی انتہا پسندی، سیاسی انتہاپسندی، فرقہ وارانہ انتہا پسندی، توہین رسالت کی دفعہ 296C کا غلط استعمال، اقتصادی انتہا پسندی۔

6۔کبیروالا مذہبی انتہا پسندی پھیلانے میں کون کون سے عناصر کارفرما ہیں؟

مساجد میں امام کا منفی کردار، سیاسی اشتعال انگیزی، لاؤڈ سپیکر کا غلط استعمال، فرقہ واریت، لسانیت، ہر مکتبہ فکر کے مخصوص علما، کم تعلیم یافتہ مولوی حضرات، مدرسہ سسٹم۔

7۔کبیروالا میں انتہا پسند اشتعال انگیز یا نفرت انگیز صورتحال پیدا کرنے کے لیے وہ کن چیزوں کا سہارا لیتے ہیں؟ سب ذرائع کا سہارا لیتے ہیں۔

پرنٹ میڈیا کا استعمال (بروشر، پمفلٹ وغیرہ، لٹریچر، ٹی وی چینل، لوکل کیبل نیٹ ورک، ریڈیو، لاؤڈ سپیکر، وال چاکنگ، جلسے جلوس۔

8۔کبیروالا میں کون کون سی اقلیتیں ضلع میں موجود ہیں۔
(i) کیا وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتی ہیں؟
مسیحی، سکھ، احمدی وہ خود کو محفوظ سمجھتے ہیں۔

9۔کبیروالا میں کیا سیاسی مقاصد کے لیے مذہب ومسلک کا سہارا لیا جاتا ہے. اگر ہاں تو کیسے کوئی ماضی قریب سے مثال؟

اکثر سیاسی جماعتیں مذہب کا سہارا لے کر لوگوں کے جذبات کو بھڑکانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔2013 کے الیکشن میں انور شاہ بخاری کے جلسے جلوس۔

10۔کبیروالا میں نوجوانوں کو اپنی تعلیم اور زندگی سے متعلق فیصلے کرنے میں آزادی حاصل ہے یا والدین کے زیر تسلط ہی ان کو تمام فیصلے کرنا پڑتے ہیں؟

نوجوانوں کو اپنی تعلیم اور زندگی سے متعلق فیصلے والدین کے زیر تسلط کرنا پڑتے ہیں

11۔کبیروالا تحصیل میں کن ذرائع کو استعمال میں لاتے ہوئے انتہا پسندی کا خاتمہ ممکن ہے؟

بین المذاہب کمیٹیاں، سکول و کالج لیول پر آگاہی سیمینار۔لوگوں کو برداشت کے بارے درس دیا جائے، امن اور بھائی چارے کی فضا پیدا کی جائے، انتہا پسندی کا خاتمہ بذریعہ تعلیم اور میڈیا، انتہا پسندی کا خاتمہ بذریعہ مذہبی رواداری۔

شدت پسندی کے خاتمے سے متعلق لٹریچر کی دستیابی سے ،کمیونٹی میٹنگ کے ذریعے سے، والدین اور بچوں کو انتہا پسندی سے متعلق آگاہی بذریعہ سیمینار اور ورکشاپ سے، مدرسوں، سکولوں اور کالجوں کے اساتذہ کی تربیت سے گلی محلے اور بازاروں میں رواداری سے متعلق تشہیری مواد کی تقسیم سے، مدرسوں اور سکولوں میں فنی مہارتوں کے فروغ سے، وال چاکنگ سے بزرگوں کے ساتھ مکالمہ کے ذریعے 12۔کیا تحصیل کبیروالا میں خواتین کو آزادی رائے حاصل ہے؟

تحصیل میں خواتین کو محدود آزادی رائے حاصل ہے

13۔کبیروالا خواتین کو آزادانہ کسی بھی عہدے پر کام کرنے کے مواقع میسر ہیں؟

خواتین کو آزادانہ کسی بھی عہدے پر کام کرنے کے بہت محدود مواقع میسر ہیں۔

14۔تحصیل کبیروالا کے اہم مسائل کیا ہیں؟

غربت، عدم برداشت، تعلیم کی کمی، چائلڈ لیبر، بیروزگاری، بچوں کی مشقت کے قانون سے بے بہرہ پولیس، صحت کی سہولتوں کی عدم دستیابی، نکاسیءآب کے مسائل۔

15۔کبیروالا مختلف اقلیتی گروہوں کی عبادت گاہوں کا تعداد:

(الف) چرچز۔۔ 3 (ب) مندر۔۔۔۔ (ت) احمدی عبادت گاہ۔
(ث) گردوارہ: کوئی نہیں (ج) دیگر کوئی نہیں

16۔تحصیل کبیروالا میں مدارس کی کل تعداد اندازاً 30

سوال پر کرنے والوں کے نام
گروپ نمبر

سیّد حسنین عابد، شکیلہ شکیل، پروین جبار، شائلہ، کرن، مہوش، عبدالوہاب، احمد حسن، کاشف ریاض، محمد ناصر، رانا علی رضا، حرا بتول زیدی، مختار بیگم، نرجس ضیاء، ارم حسن، جمیلہ حسن، عبدالجبار چوہان، اقبال، عاطف علی۔

دیپالپور پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے زیر اہتمام پنجاب کے ضلع اوکاڑہ کی تحصیل دیپا ل پور میں ''تکثیری اقدار کے فروغ اور انسانی حقوق کی تعلیم'' کے عنوان سے 01اور02 نومبر 2014ء کو دو روزہ تربیتی ورکشاپ کا اہتمام الکرم ہوٹل دیپالپور میں کیا گیا۔ورکشاپ

> ملک میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر ٹارگٹ کلنگ پر قابو پانے میں ریاستی ادارے ناکام ہوتے نظر آتے ہیں۔

میں طرز فکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری رویوں کے فروغ کے لیے تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمو لیت کی اہمیت، میڈ یا کیا ہے؟ اسکی مختلف اقسام، بدلتے ہوئے رجحانات اور انتہا پسندی کے انسداد یا فروغ میں میڈیا کا کردار، مذہب کی من مانی تشریح انتہا پسندوں کا ہتھیار، انتہا پسندی کیا ہے؟ اسکی مختلف اقسام، ہمارے زندگی پر اثرات اور ان کی روک تھام کے لیے لائحہ عمل، انسانی حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار، انتہا پسندی کے انسداد یا فروغ کے میں ریاستی اداروں کا کردار جیسے موضوعات زیر بحث رہے۔سہولت کاروں میں ایچ آر سی پی کے کوآرڈینیٹر ندیم عباس، ریجنل کوآرڈینیٹر عون محمد، زکی نقوی، خالد مسعود، طارق رفیق چوہدری، قمر زیدی اور سید مشہود بخاری شامل تھے۔اسی طرح شرکاء میں صحافی ،وکلاء، اساتذہ، سماجی کارکن، طلبہ اور دیگر مکاتب فکر کے لوگ شامل تھے۔علاوہ ازیں ورکشاپ میں مذہبی ہم آہنگی اور رواداری کے نام سے دستاویزی فلم دکھائی گئی۔شرکاء کے درمیان رواداری کے فروغ کے لیے گروپ ورک اور گیمز بھی کروائی گئیں۔ورکشاپ کا آغاز ریجنل کوآرڈینیٹر عون محمد نے مہمانوں اور دیگر شرکاء کو خوش آمدید کہہ کر کیا۔

تعارف شرکاء، رجسٹریشن قبل از ورکشاپ شرکاء کا استعدادی جائزہ

عون محمد

ملک میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر ٹارگٹ کلنگ پر قابو پانے میں ریاستی ادارے ناکام ہوتے نظر آتے ہیں۔ بہت سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ملک چھوڑ جانے پر مجبور ہوئے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق کے نافذ کردہ متنازعہ قوانین کے نفاذ کے بعد اقلیتی برادری عدم تحفظ کا شکار ہوئی ہے جسکی بناء پر صدیوں سے آباد پارسی، عیسائی اور ہندو برادری کے ہزاروں خاندان یورپ اور امریکہ ہجرت کر گئے ہیں، قادیانیوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جانے لگا تو ان لوگوں کی بھی اکثریت ملک چھوڑ گئی۔ گزشتہ چند برسوں کے دوران بلوچستان اور سندھ میں ہندوؤں کے اغوا اور انکی لڑکیوں کی زبردستی شادی اور مذہب تبدیل کرانے کے واقعات رونما ہونے شروع ہوئے تو انکے کئی خاندان ملک چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ جن والدین کے بچے یورپ اور امریکہ اعلیٰ تعلیم کے لئے گئے تھے انکی خواہش تھی کہ بچے تعلیم مکمل کر کے جلد وطن واپس آ جائیں مگر اب والدین اپنے بچوں کو یہ ہدایت دے رہے ہیں کہ زندگی بچانے کے لئے وہ یورپ اور امریکہ میں آباد ہو جائیں۔ ہر باشعور شخص کو انتہا پسندی اور مذہبی منافرت کے خاتمے کے لئے اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔ ہمارا کردار اس اہم مسئلے پر زیادہ متحرک ہونا چاہئے تا کہ عام آدمی مایوسی کا شکار نہ ہو۔ اگر عام آدمی مایوسی کا شکار ہو گیا تو معاشرے کی ساخت پر اس کے خطرناک نتائج مرتب ہونگے۔ انتہا پسندی کا زہر جس تیزی سے سرائیت کر رہا ہے اس پر ہر سطح پر غور فکر کی ضرورت ہے۔ آپ تمام شرکاء سے گزارش ہے کہ ورکشاپ کے دوران حاصل کی گئی انسانی حقوق کی تعلیم کو اپنے گھر، خاندان، سوسائٹی اور اداروں میں دوسروں تک پہنچائیں، اور انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے ہماری اس کاوش میں ساتھ دیں۔

طرزِ فکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری رویوں کے فروغ کے لیے تعلیم اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت

زکی نقوی

حقیقی جمہوریت کے حصول کے لئے ایک ایسی ثقافت کا فروغ ضروری ہے جسمیں مذہبی، شخصی اور صحافتی آزادیوں کا خیال رکھا جائے۔ دیگر ترقی یافتہ جمہوری مما لک کی طرح

مکمل آزادی سے ہنوز خاصا دور ہے، شاید اس وجہ سے بھی معاشرہ گھٹن کا شکار ہو رہا ہے۔ پاکستان کا نظام تعلیم بھی وہ کردار ادا کرنے میں ناکام رہا ہے جس سے عوام میں سماجی اور ثقافتی روّیے فروغ پا سکتے۔ اس ضمن میں نصاب بالکل ہی خاموش ہے۔ ہماری روایتی ثقافت اور تاریخ، سماجی اقدار، روّیے اور عادات ماضی کے دھندلکوں میں گم ہوتے جا رہے ہیں۔ مثلاً ہماری لوک ثقافت کو ہی لے لیجیے، عوام الناس اس کے متعلق بہت قلیل علم رکھتے ہیں بلکہ کئی اکیڈیمیاں تو ان کے وجود سے ہی بے بہرہ ہیں۔ پاکستانی لوک ثقافت کو انتہا پسندی کا متضاد کہا جا سکتا ہے، کیونکہ اس میں شدت پسندی کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اگر اسلام آباد میں نیچرل ہسٹری میوزیم میں جا کر دیکھا جائے تو مذکورہ مفروضے کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ میرے خیال میں لوک ورثے کو تعلیمی اداروں میں بطور اختیاری مضمون بھی پڑھایا جانا چاہئے کیونکہ یہ جنریشن گیپ کم کرتا ہے۔ لوک ورثے کی تعلیم بوڑھوں اور نوجوانوں کے مابین موئثر رابطے کا باعث بن سکتی ہے۔ بزرگ لوک کہانیوں سے آگاہ ہوتے ہیں۔ وہ کہاوتوں، پہیلیوں، جادوئی کہانیوں، قصوں، مافوق الفطرت واقعات اور اس طرح کی دوسری ثقافتی اقدار سے عوام کو روشناس کراتے ہیں۔ جن لوگوں کے سماجی بندھن کمزور ہوتے ہیں وہ جلد ہی انتہا پسندوں کے جھانسے میں آ جاتے ہیں، حالانکہ انتہا پسند خود بھی قطعی طور پر تنہائی پسند نہیں ہوتے بلکہ انکے محدود سماجی تعلقات ہوتے ہیں اور وہ نئے بھرتی ہونے والے ریکروٹس کو بھی ان راستوں پر ہی گامزن کر دیتے ہیں مزید براں نئے جوان بھرتی ہو کر دیگر ہم خیال نوجوانوں کے ساتھ اپنے سماجی تعلقات مضبوط کر لیتے ہیں۔ سماجی عدم تحفظ کی وجہ سے بھی نوجوانوں کو اپنا مستقبل تاریک نظر آتا ہے جس سے وہ آسانی کے ساتھ شدت پسندوں کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ ناانصافی بھی انتہا پسندی کی ایک اہم وجہ ہوتی ہے۔

ہماری سماجی اقدار کے مختلف درجے ہیں جو کہ متوازن معاشرے کے ڈھانچے سے مناسبت نہیں رکھتے۔ اس کی مثال یہاں کے تعلیمی نظام سے دی جا سکتی ہے۔

یہاں بنیادی طور پر تین نظام تعلیم رائج ہیں، یعنی نجی انگریزی میڈیم ادارے، پبلک ادارے، اور مدرسے۔ ویسے تو ایک ریسرچ کے مطابق یہاں چار قسم کے سکول پائے جاتے ہیں (1) مدرسے (2) اردو میڈیم سکول (3) ایلیٹ انگلش میڈیم سکول (4) کیڈٹ کالج۔ نظام تعلیم میں یہ تفاوت ہی دراصل ان سماجی اور اقتصادی طبقات کی موجودگی کا مظہر ہیں۔ حقیقت میں یہ ایک ایسی دنیا کا ذکر ہے جہاں مختلف مضامین، طبقاتی ڈھانچے، فیسیں اور تنخواہیں رائج ہیں۔ ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق مدارس میں فی طالبعلم کے حوالے سے اوسطاً 5714 روپے خرچ ہوتے ہیں، جسمیں قیام وطعام کے اخراجات بھی شامل ہیں اور یہ شرح سالانہ اخراجات کی بنیاد پر ہے۔ جبکہ اردو میڈیم کالج اور سکولوں کے طالبعلموں کی فی کس ٹیوشن فیس اوسطاً 5500 روپے سالانہ ہے۔ اے لیول کے طالبعلم پر 96000 روپے خرچ آتا ہے جبکہ انگلش میڈیم کے لیے یہی فیس 36000 روپے سالانہ ہے۔ کیڈیٹ کالجز اور اسکولوں میں ہر طالبعلم پر 96061 روپے سالانہ تخمینہ لگایا گیا ہے۔ اسی طرح اساتذہ اور سٹاف کی جانب سے بھی طلباء کے ساتھ روّیہ درست نہیں ہوتا۔ سرکاری سکولوں اور مدرسوں میں بچوں کو سزا دینے کا تصور موجود ہے۔ اسٹاف کے ارکان بھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر طلباء کی بے عزتی کر ڈالتے ہیں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہاں کے بچے زیادہ محرومی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان مدرسوں اور سکولوں میں ابھی تک پرانا تعلیمی رواج قائم ہے۔ انسانی حقوق کی ابھی تک کسی بھی

ہماری سماجی اقدار کے مختلف درجے ہیں جو کہ متوازن معاشرے کے ڈھانچے سے مناسبت نہیں رکھتے۔ اس کی مثال یہاں کے تعلیمی نظام سے دی جا سکتی ہے۔

سرکاری اسکول یا مدرسے میں تعلیم نہیں دی جاتی۔ پاکستان میں انسانی حقوق کی تعلیم پر زور نہیں دیا گیا یا پھر اس سے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا گیا اور نہ ہی حکومت اور سوسائٹی نے اس جانب کوئی توجہ دی۔ پاکستانی نظام تعلیم پر افسوس کرتے ہوئے بس اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے ہاں زیادہ تر بچے سکول نہیں جاتے اور جو سکول جاتے ہیں وہ ایسا کچھ بھی نہیں سیکھتے جسکی بناء پر وہ بہتر شہری بن سکیں۔ سکولوں کو بذات خود مسئلہ بننے کی بجائے مسئلے کے حل کا ذریعہ ہونا چاہیے۔ سکول مناسب طور پر تعلیم فراہم نہیں کر رہے اور نہ ہی طالبعلموں کی صلاحیتوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ معیاری تعلیم کا مطلب تو یہ ہے کہ طالبعلم جمہوری اور اخلاقی اقدار کی جانب راغب ہوں، بنیادی انسانی حقوق سے آگاہی حاصل ہو۔ انکے ذہنی افق پر نئے خیالات پیدا ہوں۔ تعلیم پچھلی حکومتوں کی ترجیح تو کبھی نہیں رہی اور اب بھی تعلیم کے لیے وقف کردہ بجٹ 3 فیصد سے بھی کم ہے۔

مہوش منظور: اگر اس طرح ہوتا رہا تو اس کو درست کون کریگا؟ کیا ہم آئیں گے بحث کریں گے اور چلے جائیں گے؟

ذکی نقوی: ہمیں اپنی نسل کی تربیت کو انسانی حقوق کو سامنے رکھ کر کرنی ہوگی تب ہی ہم اس سے بچ سکیں گے اور اس کو درست بھی ہم کو ہی کرنا ہوگا۔

جبار چوہان: نصاب کی تبدیلی کے حوالے سے کیا HRCP نے کوئی لائحہ عمل اختیار کیا؟

عون محمد: HRCP نے نصاب کے حوالہ سے اپنی رپورٹ بنا کر شائع کی اور متعلقہ حکام سے اس حوالہ سے بات چیت بھی کی ہے۔

میڈیا کیا ہے اسکی مختلف اقسام بدلتے ہوئے رجحانات اور انتہا پسندی کے انسداد یا فروغ میں میڈیا کا کردار

عون محمد

انتہا پسندی ان بنیادی مسائل میں سے ایک ہے جو پاکستانی ریاست اور معاشرے کو درپیش ہیں۔ اسکی جڑیں شاید پاکستان کے قیام سے بھی پہلے ہوں۔ پاکستان کی تاریخ میں یہ مسئلہ افقی اور عمودی دونوں اطراف میں پھیلتا رہا ہے۔ ایک طرف بہت سے عوامل اور کردار اسمیں اپنا اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں تو دوسری طرف بہت سے بے گناہ افراد اور گروہ بھی اسکا نشانہ بنتے رہے ہیں۔ پاکستانی میڈیا نے حال ہی میں جو نئی طاقت اور اہمیت حاصل کی ہے وہ بھی ابتدائی ایام سے لے کر آج تک اس سارے عمل میں ایک عامل کے طور پر موجود رہا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ شدت پسند گروہوں کا نشانی بھی بنتا رہا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ پاکستانی میڈیا نے کس حد تک انتہا پسندی کو فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ ذرائع ابلاغ شروع سے ہی شدت پسندی کو بڑھاوا دینے میں اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ 1950ء میں حکومت پنجاب نے شدت پسندانہ خیالات کی اشاعت اور فروغ کے لئے ذرائع ابلاغ کو استعمال کیا۔ اس وقت کی حکومت کے ڈائریکٹریٹ آف انفارمیشن نے ان اخبارات کو رقوم ادا کیں جو احمدیوں کے خلاف شدت پسندانہ خیالات کی تشہیر کرتے تھے۔ یہ معاملہ ایک انکوائری کمیٹی کے روبرو پیش ہوا اور نوائے وقت کے حمید نظامی نے اسکی توثیق کی۔ ہر اخبار کی اپنی ایک پالیسی ہوتی ہے مثلاً انگریزی اخبار Daily Times کی پالیسی شدت پسندی کے خلاف ہے جبکہ بعض اخبارات کی پالیسی شدت پسندی کے حق میں ہے۔ کچھ اخبارات کے صفحات طالبان کے لیے وقف ہیں۔ یہ طالبان اور دہشتگردوں کو عسکریت پسند کہتے ہیں۔ ہر اخبار کی اپنی ایک پالیسی ہوتی ہے۔ ذرائع ابلاغ کو باقی معاشرے سے الگ تھلگ نہیں کیا جا سکتا۔ معاشرتی عوامل اس پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ ضیاء الحق کے دور حکومت میں ذرائع ابلاغ پر اثر

انداز ہونے کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی گئی۔ جماعت اسلامی چونکہ جنرل ضیاءالحق کے بہت قریب تھی اور ضیاء نے جماعت اسلامی کو افغان جنگ میں بھی استعمال کیا تھا۔ اس کے بہت سے لوگ ذرائع ابلاغ سے منسلک ہوگئے۔ ان میں سے بہت سے لوگ عسکریت پسند تھے اور اپنے اپنے نظریات کی بنیاد پر لوگوں کی جانیں لے رہے تھے اس گروپ کے لوگوں نے ان اداروں میں اپنے اپنے لوگ شامل کئے اسکے علاوہ انہوں نے بہت سے ذرائع ابلاغ کے لوگوں کو خریدا اور اپنے اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا۔ اس قسم کے لوگ اگر چہ اخبارات کی پالیسی کو براہ راست متاثر نہیں کرتے تاہم اگر کوئی شخص نیوز روم یا رپورٹنگ میں ایک خاص سوچ لیکر بیٹھا ہوا ہے تو اسکے پاس موقع ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی خبر کو بڑھا چڑھا کر پیش کرے یا کوئی خبر اس طرح دے کہ اسکی اہمیت کم ہوجائے۔

پاکستانی ذرائع ابلاغ بالواسطہ طور پر اور دبے لفظوں میں شدت پسندوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر لال مسجد کے مسئلے کو لے لیں جس پر میڈیا نے یکطرفہ کردار ادا کیا۔ اسی طرح جن تنظیموں پر پابندی ہے انکی خبریں بھی مسلسل چھپ رہی ہیں صرف انکے نام کے ساتھ سابقہ کا لفظ لگ جاتا ہے۔ شدت پسندی سے جڑے ہوئے واقعات کو جس قدر تشہیر ملنی چاہیے ہمارا میڈیا بریکنگ نیوز کے چکر میں ان واقعات کو زیادہ تشہیر دے جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے واقعات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے۔ اگر کہیں پٹاخہ بھی پھٹتا ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ دھماکے کی آواز سنی گئی ہے پولیس جگہ کا تعین کر رہی ہے، اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ شدت پسندوں کے حوصلے بلند ہوجاتے ہیں۔ طالبان کے ترجمان کو بہت زیادہ کوریج ملتی ہے۔ بعض گروہ ایسے بھی ہیں جو اس قسم کی کاروائیوں میں ملوث نہیں ہیں لیکن وہ باجوڑ یا کسی ایسی جگہ بیٹھ کر ذمہ داری قبول کر لیتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔

ہمارے ہاں ذرائع ابلاغ Gatekeeping کی روائیت سے محروم ہیں۔ جو شخص میڈیا سے منسلک ہے اسے ایک Gatekeeper کے طور پر کام کرنا چاہیے۔ نیوز رپورٹر یا ایڈیٹر کو خبر کی اشاعت کے حوالے سے فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ اسے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اگر کوئی خبر فائدے کی نسبت زیادہ نقصان کرے گی تو وہ اسے روک لے۔ ہمارا الیکٹرانک میڈیا حال ہی میں سامنے آیا ہے اور لوگ اسکے لیے مناسب طور پر تربیت یافتہ نہیں ہیں۔ پرنٹ میڈیا میں جب کوئی خبر تحریر ہوتی ہے تو تحریر کرنے والے کے پاس کچھ وقت ہوتا ہے کہ وہ اسکو دوبارہ دیکھ سکے اور پھر وہ تحریر مدیر کی نظر سے بھی گزرتی ہے۔ لیکن الیکٹرانک میڈیا میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہ ان عوامل میں سے ایک ہے جنکی وجہ سے ہمارے ٹی وی چینل شدت پسندی سے متعلق واقعات کو اکثر غیر موزوں طریقے سے پیش کرتے ہیں۔ مزید براں پاکستان میں پرنٹ میڈیا کے پاس کوئی ڈیڑھ سو سال کا تجربہ ہے جبکہ الیکٹرانک میڈیا مقابلتاً نوخیز ہے۔ ام احسان جو لال مسجد کے خطیب عبدالعزیز کی اہلیہ ہیں کا ایک کارٹون ایک اخبار میں چھپا تو اس اخبار کو کھلے عام دھمکی دی گئی کہ وہ اسکے نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہے۔ نماز جمعہ کے بعد لال مسجد میں اس اخبار کے خلاف نعرے لگائے گئے۔ انہوں نے اخبار کے

> پاکستانی ذرائع ابلاغ بالواسطہ طور پر اور دبے لفظوں میں شدت پسندوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر لال مسجد کے مسئلے کو لے لیں جس پر میڈیا نے یکطرفہ کردار ادا کیا۔ اسی طرح جن تنظیموں پر پابندی ہے انکی خبریں بھی مسلسل چھپ رہی ہیں صرف انکے نام کے ساتھ سابقہ کا لفظ لگ جاتا ہے۔

خلاف الزام عائد کیا کہ اسکی پالیسی جہاد کے خلاف ہے اور اسے سبق سکھایا جائے۔ اگر شدت پسندوں کے خلاف کوئی خبر شائع ہوتی ہے تو ذرائع ابلاغ پر الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ خلاف اسلام باتیں چھاپ رہا ہے۔ اسی طرح 1981ء میں روزنامہ جنگ نے اسلامی جمعیت طلبہ کے خلاف ایک خبر چھاپی۔ طلبہ دو بسوں میں سوار ہوکر آئے اور جنگ اخبار کے دفتر کو آگ لگا دی۔ اسکے بعد آج تک جنگ اخبار نے اسلامی جمعیت کے خلاف کوئی خبر نہیں چھاپی۔

میڈیا دراصل آجکل مارکیٹ فورسز کے تحت چل رہا ہے۔ پہلے جب میڈیا حکومت کی تحویل میں تھا تو اسکے اثر سے آزاد تھا۔ اب مارکیٹ کیا چاہتی ہے وہ معاشرے کا عمومی طرز عمل ہے میڈیا بھی اسی رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ اگر معاشرہ انتہا پسند نظریات سے لیس ہے، یعنی اگر ریاست کی عملداری کم ہوچکی ہے اور انتہا پسند حلقوں کا رسوخ معاشرے پر زیادہ ہے تو میڈیا میں بھی وہی چیز آپکو نظر آئے گی۔ میڈیا عدم استحکام میں اضافے کا باعث بن رہا ہے، شائد اسلئے کہ اسے جو آزادی ملی ہے وہ ابھی نئی نئی ہے خاص طور پر الیکٹرانک میڈیا کے حوالے سے تو یہی لگتا ہے کہ اسے تجربہ نہیں ہے۔ رہنمائی بھی نہیں ہے، جو ہے وہ بڑی عوامی قسم کی ہے کہ چینل بڑا مقبول ہوجائے گا۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ میڈیا اس امر کو مسلسل نظر انداز کر رہا ہے کہ ایسا کرنے سے مستقبل میں اظہار رائے کی آزادی کو برقرار رکھنا مشکل ہوجائے گا۔

انتہا پسندی کے انسداد یا پھیلاؤ میں میڈیا کا کردار

ویڈیو ڈاکومنٹری

اس سیشن میں میڈیا کے حوالے سے وڈیو ڈاکومینٹری دکھائی گئی جس میں میڈیا کی رپوٹنگ کے انداز کو دکھایا گیا کہ اس کی رپورٹنگ سے کب اور کس طرح انتہا پسندی کو فروغ ملتا ہے اور اس میں صحافت کے گیٹ کیپر کے فرائض ادا نہ کرنے کی وجہ سے کس طرح کے مسائل جنم لیتے ہیں۔

مذہب کی من مانی تشریح انتہا پسندوں کا ہتھیار

محمد مسعود خالد

تمام مذاہب کی منزل حق کی تلاش، اور خدا ہے۔ من مانی تشریح کے لفظ کو اگر ہم کسی اصطلاح میں بیان کرنا چاہیں تو اسے ہم موضوعی اصطلاح سے واضح کر سکتے ہیں۔ موضوعی کا مطلب ہے وضع کرنا یا اپنی طرف سے بنانا۔ دنیا کا کوئی بھی مذہب جب پیدا ہوتا ہے تو وہ ایک خاص وقت تک تکمیل کے مرحلے میں رہتا ہے اور آخر چند قواعد، رسومات، عقائد کو اپنا حصہ بنا کر مکمل ہو جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ دُنیا مذہب کے مکمل ہونے پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ آگے بڑھتی رہتی ہے۔ آگے بڑھتے ہوئے زمانے کی بدلتی ہوئی ضرورتیں جب ماضی کے کسی دور میں مکمل ہو چکے مذہب سے کچھ نہیں لے پاتیں تو پھر یا تو وہ دنیا اور مذہب کو الگ الگ کر کے زمانے کے ہم قدم ہونے کی کوشش کرتی ہیں یا جدید علوم کی روشنی میں تاویل کا سہارا لے کر اپنا راستہ ہموار کرتی ہیں۔ یہ تاویل ہمیشہ جذبات، تعصّبات اور مفادات کے تابع ہوتی ہے۔ یہ مفادات انفرادی بھی ہوسکتے ہیں اور اجتماعی بھی۔ مثال کے طور پر قرآن کریم میں ہے کہ "زمین اللہ کی ہے"۔ خطہ عرب میں اس وقت تو ایسا طبقہ موجود نہیں تھا جسے جاگیردار کہتے اس لیے اللہ کی زمین ہونے کو لوگوں نے تسلیم کیا۔ اس لئے کسی تاویل کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ لیکن ہندوستان میں جہاں 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز سامراج نے زمین اپنے وفاداروں میں تقسیم کر کے رہین ملکیت کا حق دار ٹھہرا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تحریک پاکستان کے نتیجہ میں اسلامی مملکت قائم ہوگی تو ریاست اس معاملہ کو کیسے نمٹائے گی۔ علامہ اقبال نے ایک نظم لکھی اس کا نام "الارض اللہ" ہے جس میں انہوں نے ذاتی ملکیت کی نفی کی ہے۔ لیکن مسلم لیگ میں جب ایک بڑی اکثریت میں جاگیردار شامل ہوگئے تو انہوں نے نظم تو کیا علامہ اقبال کو ہی کھڈے لائن لگا دیا۔ یہ تو پھر جنرل ایوب خاں نے انہیں دوبارہ متعارف کروایا تا کہ وہ علامہ اقبال کو دو قومی نظریئے کا خالق بتا کر قائداعظم کو اُن کا ایک پیروکار ثابت کر کے فاطمہ جناح کی الیکشن مہم پر اثر

انداز ہوں۔

قیام پاکستان کے بعد جب یہ مسئلہ درپیش تھا کہ نئی اسلامی فلاحی مملکت میں جاگیرداروں کا کیا کیا جائے تو جہاں مذہبی پیشوا میدان میں آئے، وہاں سیاستدان بھی۔نوابزادہ نصراللہ خان نے "انجمن تحفظ زمینداراں فی احکام شریعہ" بنائی تو ان کے بیانیہ کو مولانا مودودی کی کتاب "مسئلہ ملکیت زمین" سے بہت سہارا ملا۔جبکہ علامہ اقبال کے پیروکار علامہ غلام احمد نے قرآن کریم سے زمین کی ملکیت کی نفی کی۔اس لیے اُن کے خیالات کبھی سرکاری سرپرستی حاصل نہیں کر پائے۔سرکاری سرپرستی قرآن کریم کی اسی تشریح کو حاصل رہی جو ریاست پر قابض حکمران طبقے کے مفادات کا تحفظ کرتی تھی ۔مختلف طبقے اپنے مفادات کی جنگ کو مذہب میں داخل کر لیتے ہیں۔اسطرح جہاد کی بات ہے جہاں مسلمان طاقت میں تھے وہاں جہاد بالسعیت کو ترجیح دیتے لیکن پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ جہاد بالنفس کو ترجیح دی گئی۔

مغربی تہذیب میں سولہویں اور سترہویں صدی کا دور عدم رواداری کا ایسا ہی دور تھا جیسا آج ہمارے ہاں ہے۔مجھے اس مرحلہ پر دوستوفسکی کے ڈرامہ "The Possessed" کا ایک سین یاد آ رہا ہے جس میں بے دینوں کو پکڑ پکڑ کر آگ میں ڈالا جا رہا ہے اور مخالف نقطہ نظر رکھنے والے لوگوں کو جہنم واصل کیا جا رہا ہے۔ اتنے میں حضرت عیسٰی خود زمین پر تشریف لے آتے ہیں اور اس ظلم وستم اور تشدد کے خلاف تقریر کرتے ہیں اس عمل کی مذمت کرتے ہیں ۔کلیسا کے لوگ حضرت عیسٰی کو پکڑ کر محتسب اعلیٰ کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ یہ شخص بے دین لوگ کی حمایت میں تقریر کر رہا تھا۔حضرت عیسٰی محتسب اعلیٰ کو بتاتے ہیں کہ میں ہی عیسٰی ہوں عیسائی مذہب کا بانی تو وہ احترام میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور حضرت عیسٰی کو چھوڑ دیتا ہے مگر یہ ہدایت بھی کرتا ہے کہ اب عیسائیت وہ نہیں ہے جو آپ کے دور میں تھی اب اس کے معنی بدل چکے ہیں۔مگر اس کے برعکس سولہویں صدی کا ہندوستان ایک مکمل طور پر رواداری کا گہوارہ تھا۔علاؤالدین خلجی کو علماء نے مشورہ دیا کہ اگر اپنی اقلیتی حکومت کو اکثریت پر غالب رکھنا ہے تو انہیں تہہ تیغ رکھو اور دوسرے درجہ کا شہری ہونے کے احساس میں رکھو۔مگر خلجی نے ان کی یہ بات نہیں مانی اور ہر شخص کو اپنا عقیدہ رکھنے کا حق دیا۔ بابر نے اپنے جانشین ہمایوں کو وصیت کی کہ اگر پرامن حکومت کرنا چاہتے ہو تو مختلف عقائد کے معاملات سے خود کو الگ رکھو۔

اسطرح ایک ایسی تہذیب پروان چڑھ رہی تھی کہ جس میں ہر شخص کو حق حاصل تھا کہ وہ کوئی بھی عقیدہ رکھے سماجی تعلقات میں یہ بات رکاوٹ نہیں بنتی تھی اس عمل میں سکھ، بھگتی تحریک اور صوفیوں کا بڑا کردار ہے۔1857ء کی جنگ آزادی ہندو اور مسلمانوں نے مل کر مسلمان مغل بادشاہ کی بحالی کی لیے لڑی۔بس یہی مرحلہ تھا جب انگریزوں نے ہندو مسلم اتحاد کا مطالعہ کیا۔تاریخ وثقافت کی دریافت کے بہانے سے ہندوؤں کو مقامی باشندے اور مسلمانوں کو حملہ آور قرار دیا۔رومیلا تھاپڑ کہتی ہیں کہ فرقہ واریت کی ابتداء اور بالآخر اپنے سیاسی بنانے تک کا سارا ریکارڈ برطانوی پارلیمنٹ میں ہونے والی تقریروں میں موجود ہے۔مسلمانوں کے علماء نے برطانوی قبضے کو مسلمانوں کے زوال سے تعبیر کیا اور دوبارہ غالب آنے کے لیے دین کی طرف رجوع کرنے کا عندیہ دیا ۔لیکن بیسویں صدی میں سماجی تبدیلی کا ذریعہ سیاست تھا اس لیے احیائے دین کو سیاست سے جوڑ کر ایک الگ مملکت کی بنیاد رکھی گئی۔مذہب کا مخالف ہمیشہ کافر کہلاتا ہے۔اس کے برعکس سیاست ہمیشہ اختلاف رائے اور تنقید سے پروان چڑھتی ہے اس تضاد کا اثر یہ ہوا کہ سیاست میں عدم برداشت کا رویہ داخل ہو گیا۔سیاسی اختلاف رائے کو تقویت دینے کے لیے مذہب کا سہارا لیا گیا جس سے مذہب میں فرقے اور عدم برداشت پیدا ہوئی۔ضیاءالحق کے دور میں جب افغانستان میں روسی فوجیں داخل ہو رہی تھیں تو امریکہ روس کو شکست دینے کے لیے پاکستانی فوج اور طالبان کو استعمال کر رہا تھا اُسے جائز کرنے کیلیے جہاد کے فلسفے کو دوبارہ زندہ کیا گیا ۔حقیقت میں مذہبی اختلاف رائے یا مذہب کی من مانی تشریح کر لینا کوئی خطرے کا باعث نہیں۔معاشرے میں یہ من مانی تشریح اس وقت خطرے کا باعث بنتی ہے جب ایک چھوٹا گروپ بزور شمشیر دوسروں کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کرتا ہے۔یہ رویہ تب تک جاری رہے گا جب تک ہم اپنے نصاب تعلیم میں بچوں کو یہ نہیں پڑھاتے کہ ہر انسان بنیادی طور پر برابر کے حقوق رکھتا ہے اس میں اس کا اپنا عقیدہ، سیاسی خیال اور رائے رکھنے کا حق بھی شامل ہے۔آپ لوگوں کے عقیدہ رکھنے کے حق کو تسلیم کریں اور بدلے میں وہ آپ کے عقیدہ رکھنے کے حق کو تسلیم کرے گا۔بابا نجمی کا شعر ہے کہ

میری مسجد توں کیوں ڈھاویں
میں کیوں توڑاں مندر نوں
آ جادوویں رل کے پڑھیئے
اک دوجے دے اندر نوں
صدیاں وانگوں اج وی کجھ نہیں جانا مسجد مندر دا
تیرا میرا لہو اے لگنا تیرے میرے خنجر نوں

احمد حسن: معاشرہ میں جو اسلام کی تشریح کی وہ اب کسی مولوی کے گھر ہے؟

مسعود خالد: آج ہم نے مذہب کو ہتھیار بنا کر معاشرے میں مذہبی انتہا پسندی کو تقویت دی ہے۔اور آج اس کو بھگت رہے ہیں۔مذہب کو فرقوں میں تقسیم کر کے ہم نے ایک دوسرے کو دشمن بنا دیا ہے۔

مختاراں بی بی: ہمارے ان مسائل کو حل کون کرے گا؟

عون محمد: ان سب مسائل کو حل ہم نے ہی کرنا ہے۔اسکے خاتمے کا بہترین حل تعلیم اور مکمل آگاہی ہے۔

کھانے کے وقفے کے بعد شرکاء کو ایک دستاویزی فلم ''ہم انسان'' دکھائی گئی جسکا مقصد انسانیت دوستی کا درس دینا تھا۔اس میں یہ دکھایا گیا کہ سب انسان برابر ہیں۔ شرکاء نے ایچ آر سی پی کی اس کاوش کو بہت سراہا۔اسکے بعد تمام شرکاء سے گروپ ورک کرایا گیا۔جسمیں ان سے انکی تحصیل کے حوالے سے چند ایک سوالات کرائے گئے اور ان سے Presentations لی گئیں۔

انتہا پسندی کیا ہے؟ اسکی مختلف اقسام، ہماری زندگی پر اثرات اور ان کی روک تھام کے لیے لائحہ عمل؟

طارق رفیق چوہدری

انتہا پسندی کیا ہے؟ اپنے خیالات یا سوچ کو بہتر سمجھتے ہوئے دوسروں پر مسلط کرنے اور دوسروں کے نظریات کی نفی کرنا، یا کسی معاملے میں انتہائی سطح پر چلے جانا حتیٰ کہ اُس میں کسی بھی قسم کے درمیانی راستے یا مفاہمت کی جگہ باقی نہ رہے تو وہ انتہاپسندی کہلائے گی۔ہمارے معاشرے میں انتہا پسندی عام ہے جس میں ریاستی انتہا پسندی، مذہبی انتہا پسندی شامل ہیں۔کوئی فرد جب عدم تحفظ محسوس کرتا ہے تو وہ خاندان کا سہارا لیتا ہے اور پھر اس کا دائرکار قبیلے، معاشرے اور ریاست تک چلا جاتا ہے۔اور تحفظ حاصل کرنے کے لیے لوگ طاقت کے حصول کا راستہ اپناتے ہیں اور پھر کوئی پانی پر اور کوئی زمین پر قبضہ جمانے کی کوشش کرتا ہے۔کیونکہ اس کے پاس جتنے زیادہ وسائل ہونگے اس کے تابع بھی اُتنے زیادہ لوگ ہونگے ۔طاقت کے حصول کی اس جنگ میں اُن کے درمیان انتہا پسندی کے عوامل جنم لیتے ہیں جو معاشرے میں قتل اور تشدد کے واقعات کا سبب بنتے ہیں۔ہمارے معاشرے میں عورتیں سب سے زیادہ انتہا پسندی کا شکار ہیں۔آج بھی ہمارے معاشرے میں عورت کو کم تر ثابت کرنے کے پیچھے مخصوص طبقاتی ساخت، معاشی اور مذہب کے متعلقہ عوامل کارفرما ہیں۔ہم اپنے بچوں کو جس طرح کا ماحول فراہم کریں گے وہ اسی طرح کی عادات، اسی طرح کے ماحول کو اپنائیں گے اگر ہماری سوچ انتہا پسندانہ ہوگی تو ہمارے بچوں کی سوچ بھی اسی طرح کی ہو گی۔جتنا اچھا ماحول بچے کو دیں گے وہ اتنا ہی اچھا انسان بنے گا اور اپنی صلاحیت کو بہتر طور پر استعمال کر سکے گا۔

معاشرے کے مذہبی عنصر میں برداشت کا فقدان ہوا ہے جو کہ انتہاپسندی کی شکل اختیار کر چکا ہے جس نے ہمارے معاشرے کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں۔ ہمارا نظام تعلیم بھی انتہاپسندی سے پاک نہیں۔ دیگر اقوام اور ریاستوں کے خلاف نفرت اور جنگ کی آبیاری کے لیے درسی کتابوں کو ذریعہ بنانے کے لیے تاریخ کو مسخ کر کے پیش کیا گیا۔ نصاب کے ذریعے اکثریتی مذہب سے تعلق رکھنے والے افراد کو برتر جبکہ دیگر کو کمتر انسان بیان کیا جاتا ہے۔ سرکاری اداروں میں بھرتی کے اشتہارات میں اس کا عملی مظاہرہ بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ اگرچہ پاکستان کو اسلامی تشخص دینے کا کام تو ابتدا سے ہی جاری ہے مگر 1980ء میں جب یہ عمل عروج پر پہنچا تو ملک میں انتہاپسندی کی موجودگی کے بارے میں اس وقت تک شعوری طور پر آگاہی نہیں تھی۔ اسی کو مغرب میں بنیاد پرستی کا نام دیا جاتا ہے۔ مغرب کی طرز پر پاکستان میں بھی اسلام کی موجودہ صورت کی تشریح کے لیے مسیحی بنیاد پرستی کی امریکی اور یورپی شکلوں کا سہارا لیا اور ملک میں انتہاپسندی کو فروغ دیا گیا۔ جس کی موجودہ شکل ہمارے سامنے ہے۔ 1949ء کے بعد ریاست نے مذہب کے نفاذ کو قوم کی تعمیر کا اہم ذریعہ سمجھتے ہوئے اس سمت میں پیش رفت کی۔ اس نے بہت ابتدا ہی میں یہ تعین کر لیا تھا کہ مذہب سے عامیانہ اور جذباتی وابستگی کے حالات میں اسلامی قانون سازی کا ہدف حاصل نہیں کیا جاسکے گا لہذا ریاستی اداروں کو قانونی جواز فراہم کرنے کی خاطر مذہبی طبقے کو بھی اقتدار کی کشتی میں سوار کرنا پڑے گا چنانچہ جلد ہی ایک اسلامی نظریاتی کونسل تشکیل دی گئی جسے قصداً مذہبی علماء پر مشتمل رکھا گیا۔ مذہبی انتہاپسندی پورے زور شور کے ساتھ اس دوسرے جہاد کے دوران شروع ہوئی جو سوویت یونین کے خلاف افغان جہاد کے تسلسل میں 1989ء سے کشمیر میں بھارت کے ساتھ نچلی سطح پر محاذ آرائی کی شکل میں شروع کیا گیا۔ اس طرح ریاستی اداروں کی سرپرستی میں مذہبی انتہاپسندی پروان چڑھی اور آج ہم اس کا شکار ہیں۔

انسداد: ہمیں انتہاپسندی کو روکنے کے لیے برداشت کے رویہ کو اپنانا ہوگا، صنفی فرق کا خاتمہ کرنا ہوگا، رویوں میں مثبت تبدیلی لانا ہوگی، جہادی تنظیموں پر پابندی لگانا ہوگی، حکومت کو ایسی پالیساں مرتب کرنا ہونگی جن میں انتہاپسندی پر قابو پایا جاسکے۔

جنید: ایک خاندان میں اگر کوئی بڑا اچھا ہے وہ غلط کہے یا صحیح تو سارے گھر والے اُسی کام کو کرنے پر مجبور کیوں ہو جاتے ہیں؟

طارق رفیق: ہمارے معاشرے میں جمہوری رویہ نہیں ہے یہ اس کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ ہم نے اپنی سوچ کو محدود کر لیا۔ ہمیں اپنی سوچ کو تبدیل کرنا ہوگا۔

مہوش منظور: ہم ہمیشہ مثبت پہلو کو نہیں بلکہ منفی پہلو کو کیوں دیکھتے ہیں؟

طارق رفیق: ہماری سوسائٹی بہتان زدہ ہے۔ ہم وی آئی پی کلچر کے انتخاب کے چکر میں پڑ گئے ہیں۔

ناصر: انتہاپسندی کا تدارک کیسے ممکن ہے؟

طارق رفیق: تعلیم اور جمہوری رویے کے فروغ سے اسکا تدارک ممکن ہے۔

اس کے بعد دستاویزی فلم Building Bridges دکھائی گئی جس میں مدرسے میں پڑھنے والے بچوں کو دکھایا گیا اور یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ جو بچے مدرسے میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اس کی افادیت کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ کہ دین اور دنیا کی تعلیم کا اکٹھے ہونا کتنا ضروری ہے۔ شرکاء کی جانب سے ایچ آر سی پی کی اس کاوش کو بھی بے حد سراہا گیا۔

انسانی حقوق کے فروغ ،حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار

قمر زیدی

موضوع کا آغاز دو الفاظ سے ہوتا ہے۔ انسانی حقوق میں پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ انسان کیا ہے؟ پھر دیکھیں گے کہ حقوق کیا ہیں؟ انسان اس تخلیق کا نام ہے جو شعور رکھتا ہے۔ اچھے اور بُرے کی تمیز رکھتا ہے۔ جائز اور ناجائز کا فرق جانتا ہے۔ حق اور ناحق کی تمیز رکھتا ہے۔ اِسے ہم انسان کہتے ہیں انسان اور حیوان میں جو فرق ہے وہ انہی بنیادوں پر ہے خوراک اور ہوا دونوں کی ضرورت ہے فرق یہی ہے کہ جانور خوراک دیکھتا ہے تو اسے کھا جاتا ہے اسے یہ تمیز نہیں کہ یہ صاف ہے یا گندی حلال ہے یا حرام ہے۔ وہ اپنی خوراک کو دیکھ کر یہ نہیں سوچتا کہ یہ کہاں سے آئی ہے اس بارے میں قرآن کریم کہتا ہے۔ آنکھ ناک کان وغیرہ تو ہر چرند، پرند کو دیے گئے۔ پھر انسان کو اشرف المخلوقات کیوں کہا گیا؟ اس لیے کہ انسان کو شعور دیا گیا۔ شعور یہ کہتا ہے سب انسان ایک جیسے ہیں سب کی تخلیق بھی ایک جیسی ہے اور ضروریات بھی ایک جیسی ہیں۔ اس لیے اس کے حقوق وفرائض کا تعین بھی کر دیا گیا۔ ایک واقعہ جو ہم سنتے ہیں کہ آدم کو جب جنت میں رہنے کا کہا گیا تو کچھ ہی عرصہ بعد حضرت آدم نے کہا کہ مجھے تو ایک ساتھی چاہیے اب حضرت آدم کی اس ضرورت سے ثابت ہوا کہ انسان فطری طور پر تنہائی پسند نہیں۔ بلکہ مل جل کر رہنا چاہتا ہے اسے ساتھی مل گیا اور یوں معاشرے کا آغاز شروع ہو گیا۔ عام فہم میں مل جل کر رہنے کو معاشرہ کہتے ہیں اب مل جل کر رہنے کے لیے لازمی ہے کہ ایک دوسرے کا احترام کیا جائے۔ احترام اُس وقت ہوتا ہے جب کچھ حدود وقیود کا تعین کریں ان حدود وقیود کو ہم حقوق وفرائض کہتے ہیں۔

اب ہم حقوق کی بات کرتے ہیں انسان کو زندہ رہنے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس کے حقوق کہلاتے ہیں اگر انسان زندہ ہوگا تو اس کا مطلب ہے کہ حق زندگی انسان کا بنیادی اور پہلا حق ہے۔ پیدا ہونے کے بعد اسے خوراک کی ضرورت ہوتی ہے لہذا خوراک اس کا بنیادی حق ٹھہرا پھر اسکو توانائی اور صحت کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی اسکا بنیادی حق ہے انسان جوں جوں ترقی کرتا گیا اسکے حقوق میں اضافہ ہوتا گیا۔ حق صحت کے بغیر حق زندگی نامکمل حق حفاظت کے بغیر بھی زندگی نامکمل۔ جیسے جیسے چیزوں کی ضرورت محسوس ہوتی وقت کے ساتھ ساتھ وہ اس کے حقوق بنتے گئے. ایک وقت تھا جب ان حقوق کی بنیاد طاقت تھی جسکے پاس جتنی طاقت اُسکے اُتنے ہی حقوق ہوتے تھے۔ بادشاہ کے پاس بے پناہ طاقت ہوتی تھی تو اس کے حقوق بھی بے پناہ ہوتے تھے غلاموں کے پاس طاقت نہیں ہوتی تھی تو اس کے حقوق بھی نہیں ہوتے تھے۔ پھر انسان نے محسوس کیا کہ صرف زندگی یا خوراک ہی نہیں بلکہ آزادی اور آزادانہ سوچ بھی اس کے لیے بنیادی اہمیت کے حامل ہے لہذا جہاں بھی سامراجی قبضے کے خلاف آزادی کی تحریک چلائی گئی شعوری اور لاشعوری طور پر اس بنیادی حقوق کے لیے چلائی گئی اپنی سرزمین پر آزاد رہنا ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔

1857ء میں جب برصغیر کی حکومت تاج برطانیہ کے زیر انتظام آئی تو اس وقت کی ملکہ برطانیہ نے جو بھی فرمان جاری کیا اس میں ہندوستان کے قدیم حقوق کا حوالہ دیا گیا۔ 1914ء میں یورپ میں آسٹریا کے ولی عہد کے قتل کے ساتھ ایک ایسی جنگ کا آغاز ہوا جس کے نتیجے میں لاکھوں انسان مارے گئے 1918ء میں جنگ ختم ہوئی لیکن ہارنے والی قوموں نے اس کے نتائج کو قبول نہ کیا اور 21 سال بعد دوبارہ وہ جنگ شروع ہوئی اور اس میں لاکھوں انسان لقمہ اجل بنے۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر جب انسان کو جنگ کی ہولناکیوں نے امن کی اہمیت کا درس دیا تو اس نے فیصلہ کیا کہ آئندہ اس قسم کی تباہ کاریوں سے بچنے کے لیے اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے بات چیت کا راستہ سوچنے اور ایک فورم پر حل کرنے کا عہد کیا ایک ادارہ تشکیل دیا جسے اقوام متحدہ کہتے ہیں۔ اس ادارہ نے جو پہلا کام کیا

جسے موجودہ انسانی تاریخ کا سب سے بڑا کارنامہ کہا جاتا ہے وہ انسانوں کے حقوق کی تعریف اور تعین اور ان کے احترام کا عہد کرنا کہلاتا ہے یہ اعلامیہ 10 دسمبر 1948 جاری ہوا اسے انسانی حقوق کا عالمی منشور کہتے ہیں یہ 30 آرٹیکلز پر مشتمل ہے۔ ان میں سب انسان برابر ہیں، تمام حقوق اور آزادیوں پر بلا امتیاز رنگ، نسل، مذہب یا دوسرے تصورات اثر انداز نہیں ہونگے، ہر شخص کو زندہ رہنے، اپنی شخصی آزادی اور تحفظ کا حق حاصل ہوگا، قانون کی نظر میں سب برابر ہیں، ہر شخص کو اپنی رائے اور اظہار کی آزادی کا حق ہے، ہر شخص کو تعلیم حاصل کرنے کا حق ہے۔

انسانی حقوق کے فروغ کی تحریک کو مستحکم کرنے کی حکمت عملی

ا۔ ہم جو انسانی حقوق کے سرگرم کارکن ہیں پہلے ہمیں پتہ ہونا چاہیے کہ انسانی حقوق کیا ہیں UDHR کیا ہے؟

۲۔ اس مقصد کے لیے ہمیں سٹڈی سرکل بنانے ہونگے جس میں ہم انسانی حقوق کے متعلق لوگوں کو بتائے۔

۳۔ سول سوسائٹی اور ان کے ممبران انسانی حقوق کی تحریک کا تعارف کرائیں۔

۴۔ کم وبیش ہر ضلع میں محکمہ سوشل ویلفیئر کے تعاون سے این جی اوز کو آرڈینیشن کونسلز قائم کریں اور لوگوں کو انسانی حقوق کے متعلق آگاہی کریں۔

۵۔ ہر شہر میں نجی وسرکاری تعلیمی ادارے میں ان سے رابط کیا جائے اور ان طلبہ کو انسانی حقوق کے متعلق آگاہی دی جائے

۶۔ پریس کلب کے اراکین سے رابط رکھا جائے اور ان کو لٹریچر مہیا کیا جائے جس میں انسانی حقوق کی مکمل آگاہی ہو۔

۷۔ جہاں جہاں ٹریڈ یونینیں ہوں ان کو ان کے حقوق کے حوالہ سے متحرک کیا جائے۔

۹۔ ہمارے معاشرے میں مساجد اور علماء اکرام کا ایک اہم کردار ہے لوگ ان کی بات کو سنتے اور کافی حد تک اسکو مستند سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں ان کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھا جائے انہیں یہ سمجھایا جائے کہ بنیادی انسانی حقوق کسی بھی مذہب سے متصادم نہیں ہیں۔ ان حقوق کے حصول کے لیے ان مذہبی عناصر کی سوچ کو مثبت کرنے کی ضرورت ہے جس سے اس تحریک کو بہت زیادہ فائدہ ہوسکتا ہے۔

عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار

اگر ایک وقت میں سرگرم کارکن ایک تنظیم کے ساتھ منسلک ہوکر کام کرے گا تو اس کے کام میں نکھار بھی آئے گا اور اسکا اثر بھی ہوگا اگر ہم معاشرے کو ساتھ لے کر چلیں گے تو ہمارا اپنا کام بھی اتنا ہی آسان ہوگا۔ یہ کام صرف سول سوسائٹی ہی کر سکتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ایک محتاط اندازے کے مطابق 95 فیصد لوگوں کو اُن کے بنیادی حقوق کا ہی پتہ نہیں ہے جب انکو یہ شعور ہی نہیں ہے تو انہوں نے ان حقوق کے لیے کیا کرنا ہے جبکہ ایک فیصد لوگ وہ ہیں جہنوں نے یہ حقوق سلب کر رکھے ہیں ان کا مفاد اسی میں ہی ہے کہ یہ لوگ اپنے حقوق کے بارے میں غافل رہیں بلکہ افیون کھا کر سوئے رہیں۔ یہ گولی کبھی عوام کو مذہب کے نام پر دی جاتی ہے اور کبھی قسمت کے نام پر

> جہاں بھی انسان ہے وہاں پر انسانی حقوق لازمی ہونگے۔ اداروں میں انتہاپسندی کے انسداد یا فروغ میں ریاستی اداروں کا اہم کردار ہوتا ہے۔ اگر آپ کے بچے کو تعلیم پڑھا کر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کریں تو ایک دن آئے گا جب وہ ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ایک دن ایسا آئے گا جب وہ ہم پر قابض ہونگے۔ افغانستان کی جنگ میں ہماری فوج نے انتہاپسندی کو فروغ دیا اور آج ہم اس کو بھگت رہے ہیں۔ ان جنگوں میں سب سے زیادہ نقصان متوسط طبقہ کو ہوا۔

اور کبھی رسم ورواج کے نام پر تا کہ انہیں اپنے حقوق کا نہ پتہ چلے اور نہ خیال آئے۔ اب سول سائٹی کے اراکین جو شعور رکھتے ہیں یہ انکا فرض بنتا ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق کے بارے میں آگاہی دیں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنے ساتھ ملائیں اور اس مقصد کے لیے تنظیمیں بنائیں اور خود کو دوسروں کے سامنے ایک ماڈل کے طور پر پیش کریں۔

انتہاپسندی کے انسداد یا فروغ میں ریاستی اداروں کا کردار

سید مشہود بخاری

ریاست کی تعریف انہوں نے سیاسی طبقہ یا جماعت سے کی جہاں تحفظ ہو۔ جہاں آپ آزادانہ جا سکیں۔ انہوں نے مثال دیتے ہوئے کہا کہ اگر مجھے سوات یا خضدار آنے کا کہا جاتا تو شاید میں نہ آتا لیکن یہاں مجھے تحفظ کا احساس ہے اس لیے آ گیا۔ آج کی ریاست کو قومی ریاست کہتے ہیں اور اس کا علاقہ اور حد بندی ہوتی ہے۔ ریاست جو اختیار استعمال کرتی ہے اسے اقتدار کہتے ہیں اور یہ برتر طاقت ہے۔ یہ اختیار حد میں ہو تو سسٹم یا نظام کہلاتا ہے اگر حد میں نہ رہے غیر متوازن ہوجائے تو انتہا پسندی کی طرف لے جاتا ہے۔

ریاست کے نظام کو چلانے کے 3 بڑے ادارے عدلیہ، انتظامیہ اور مقننہ ہیں۔ عدلیہ قانون کو مدنظر رکھ کر فیصلے کرتی ہے۔ انتظامیہ میں وزیر اعظم، فوج اور ایڈمنسٹریشن ہوتے ہیں اور ملک کا نظم ونسق چلاتے ہیں۔ جبکہ مقننہ قانون سازی کرتی ہے۔ یہ سارا سیاسی نظام کہلاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں انا اہم ہے قانون نہیں۔ ریاستی ادارے اگر لچکدار ہوں تو معاشرہ ٹھیک ہوگا۔ اس بربریت کے خاتمے کے لیے ہمیں چاہیئے کہ اپنے بچوں کو جدیدیت اور انسانی حقوق کی تعلیم سے آگاہ رکھیں۔ خواتین کی تعلیم اور آگاہی کے لئے ورکشاپ کا اہتمام کیا جائے۔ پاکستان میں زرعی اصلاحات کی جائیں۔ تعلیمی نصاب پر نظر ثانی کر کے نفرت انگیز اور انتہا پسندانہ مواد تبدیل کیا جائے اور نوجوانوں کو پاکستان کی درست تاریخ سے آگاہ کیا جائے۔ انسانی حقوق کی تعلیم کے پھیلاؤ کے لیے کارکنان کا کردار بہت اہم ہے۔ ہمارا مقصد یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہم نے تنقید کی اور گھروں کو چلے گئے۔ بلکہ یہاں سے نکل کر معاشرے میں ریاست کے کردار کو بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور ریاست کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہیے کہ آج ہمارے سب سے بڑے خطرے انتہاپسندی کو ختم کیا جائے۔

جب ہم سکول جاتے ہیں تو ہمیں بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ جو کچھ ہم سیکھ لیتے ہیں وہ زندگی بھر ذہن نشین رہتا ہے۔ ہمارے نصاب میں جن افراد کو ہمارا ہیرو بنا کر دکھایا گیا حقیقت میں وہ لوگ کچھ اور تھے۔ ہمیں یہ پڑھایا گیا ہے کہ اورنگ زیب ایک نیک اور اچھا بادشاہ تھا اور وہ ٹوپیاں بنا کر اور قرآن کریم لکھ کر زندگی بسر کرتا ہے۔ لیکن اُس نے سب سے پہلے اقتدار کے حصول کے لئے اپنے باپ کو جیل میں ڈالا اور اپنے تین بھائیوں کو قتل کروادیا۔ اسطرح بابر نے کسی غیر مذہب کے بادشاہ کو شکست نہیں دی بلکہ اپنے ہی اسلامی بھائی کو شکست دے کر اقتدار حاصل کیا۔ اسطرح کے نصاب کے بعد ہم یہ کیوں سوچتے ہیں کہ انتہا پسندی کیسے فروغ پا رہی ہے۔

جہاں بھی انسان ہے وہاں پر انسانی حقوق لازمی ہونگے۔ اداروں میں انتہاپسندی کے انسداد یا فروغ میں ریاستی اداروں کا اہم کردار ہوتا ہے۔ اگر آپ کے بچے کو تعلیم پڑھا کر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کریں تو ایک دن آئے گا جب وہ ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ایک دن ایسا آئے گا جب وہ ہم پر قابض ہونگے۔

جہد حق پڑھنے والوں کے خطوط

نادرا کے دفتر کے قیام کا مطالبہ

بصیرپور بصیرپور شہر کی آبادی ایک لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ بصیرپور شہر میں مقامی شہریوں کو شناختی کارڈ جاری کرنے کے لیے نادرا رجسٹریشن سنٹر قائم نہیں کیا گیا ہے۔ بصیرپور کے شہریوں کو شناختی کارڈ بنوانے کے لئے نزدیکی شہروں دیپالپور یا حویلی لکھا جانا پڑتا ہے۔ اس طرح مقامی شہریوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مقامی شہریوں نے بصیرپور شہر میں نادرا دفتر کے قیام کے لیے نادرا حکام کو متعدد درخواستیں دی ہیں تاہم کوئی شنوائی نہیں ہوئی ہے۔ مذکورہ صورتحال کی وجہ سے مقامی شہری شدید مشکلات کا شکار ہیں۔ محمد امجد نے بتایا کہ بصیرپور شہر میں نادرا نے مقامی شہریوں کو شناختی کارڈ کے اجراء کے لیے نادرا رجسٹریشن سنٹر قائم نہیں کیا انہیں شناختی کارڈ بنوانے کے لیے دیپالپور جانا پڑتا ہے۔ نادرا رجسٹریشن سنٹر دیپالپور کے انچارج محمد قاسم نے بتایا کہ بصیرپور میں نادرا دفتر کے قیام کے لیے جلد فیصلہ کرلیا جائے گا۔

(اصغر حسین)

سوئی گیس کنکشن نہ ہونے کی وجہ سے شہریوں کو مشکلات کا سامنا

بصیر پور بصیرپور شہر کی آبادی ایک لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ شہر میں مقامی افراد کو سوئی گیس کے کنکشن دینے کا سلسلہ 2012ء میں شروع ہوا۔ محکمہ سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ نے کوئی دفتر قائم نہیں کیا ہے۔ مقامی افراد کو سوئی گیس کے کنکشن کی درخواست جمع کروانے کے لیے اوکاڑہ شہر جانا پڑتا ہے جس کی وجہ سے مقامی افراد شدید مشکلات کا شکار ہیں۔ ایس ایس جی پی ایل سب ریجن اوکاڑہ کے حکام نے بصیرپور شہر میں اپنے ٹاؤٹ بنا کر رکھے ہیں جو کہ مقامی شہریوں سے فی کنکشن مبلغ دس ہزار روپے وصول کرتے ہیں اور مقامی افراد کے گھروں پر کنکشن لگا دیتے ہیں جبکہ براہ راست درخواستیں جمع کروانے سینکڑوں شہری جنہوں نے سال 2011ء اور سال 2012ء میں سوئی گیس کنکشن کے لیے درخواستیں جمع کروائی تھیں لیکن عوام آج تک دھکے کھا رہے ہیں۔ شہریوں کا مطالبہ ہے کہ انہیں جلد از جلد سوئی گیس کے کنکشن فراہم کئے جائیں۔

(اصغر حسین)

پاسپورٹ آفس کے قیام کا مطالبہ

چمن بلوچستان کا دوسرا بڑا شہر چمن نو لاکھ نفوس سے زائد آبادی رکھنے کے باوجود پاسپورٹ آفس سے محروم ہے۔ پاکستان کے شہر چمن میں پاسپورٹ دفتر کا قیام شہریوں کی اہم ضرورت ہے۔ جہد حق کی وساطت سے ایک پاسپوٹ آفس کے جلد از جلد قیام کی حکومت سے اپیل ہے۔

(محمد صدیق)

مقدمات کے اندراج کیلئے مشکلات کا سامنا

بصیرپور بصیرپور شہر میں مقامی افراد کو مقدمات درج کرانے کے لیے مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ایس ایچ او تھانہ مقدمہ کے اندراج کے لیے آنے والی درخواستوں پر مقدمہ درج کرنے کے احکامات دینے کی بجائے تفتیشی افسران کو درخواستیں مارک کردیتے ہیں اور انکوائری رپورٹ جمع کروانے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ مذکورہ تفتیشی افسران شہریوں کو درخواستوں کی انکوائری کے نام پر تھانے کے چکر لگواتے ہیں۔ اس طرح زیادہ تر لوگ مایوس ہوکر مقدمہ درج نہیں کرواتے۔ بہت کم لوگ مقدمہ درج کروانے میں کامیاب ہوتے ہیں لیکن ان کو بھی اس کام کے لیے رشوت دینا پڑتی ہے۔ شہریوں کا حکومت سے مطالبہ ہے کہ ان کو ان مشکلات سے نکالا جائے تاکہ وہ اپنے مقدمات آسانی سے درج کرواسکیں۔

(اصغر حسین)

مذہبی سیاسی رہنما کا قتل

سکھر 29 نومبر 2014 کو سائٹ تھانہ کی حدود گلشن اقبال کے علاقے میں جمعیت علمائے اسلام سندھ کے سیکریٹری جنرل وسابق سینیٹر علامہ ڈاکٹر خالد محمود سومرو مدرسہ حقانیہ کی مسجد میں نماز فجر پڑھنے گئے کہ مسلح افراد مسجد میں گھس گئے اور ایک شخص نے فائرنگ کرکے مولانا خالد محمود کو قتل کردیا۔ ملزمان بلوچی زبان میں گفتگو کررہے تھے، مولانا خالد سومرو کے قتل کی اطلاع شہر میں پھیل گئی اور شہر میں سوگ کی فضا چھا گئی۔ اہم ترین کاروباری مراکز بند ہوگئے، خالد محمود سومرو کی میت سکھر سے ایمبولینس کے ذریعے لاڑکانہ اور پھر آبائی رہائش گاہ پر لائی گئی، جہاں ان کی نماز جنازہ میونسپل اسٹیڈیم میں ادا کی گئی، انہیں گلشن حقانی جامعہ مدرسہ اشاعت القرآن والحدیث سومرو فارم لاڑکانہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ مولانا خالد محمود سومرو کے فرزند ناصر محمود سومرو نے اپنے والد کی میت کا پوسٹ مارٹم کرانے سے انکار کردیا تھا، مولانا خالد محمود پر پہلے بھی 5 قاتلانہ حملے ہوچکے تھے، قتل کے وقت 2 پولیس اہلکار ہمراہ تھے، جس میں ایک سو رہا تھا اور ایک نماز کے لئے وضو کررہا تھا۔ لاڑکانہ سے فارنسک ٹیم سکھر پہنچ گئی اور جائے وقوع کا معائنہ کیا۔ ٹیم میں شامل افسران نے جائے حادثہ پر پائے گئے گولیوں کے خول اور دیواروں میں لگی ہوئی گولیاں تحویل میں لے لیں، مولانا خالد محمود سومرو کے قاتلوں کی تلاش کے لئے ڈی آئی جی لاڑکانہ کی سربراہی میں کمیٹی تشکیل دی گئی ہے۔ مقتول کے فرزند راشد محمود سومرو کی مدعیت میں سائیٹ ایریا تھانہ پر جرم نمبر 82/2014 تحت 302 اور انسداد دہشت گردی کی دفعہ کے تحت مقدمہ درج کیا گیا۔

(عبدالغفور شاکر)

گیس کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے

چمن چمن شہر کوئٹہ سے 140 کلومیٹر دور شہر ہے جو تاحال گیس کی فراہمی سے محروم ہے۔ بلوچستان سے نکلنے والی گیس سے ہی چمن شہر محروم رہا ہے۔ اہلیان چمن جہد حق کی وساطت سے حکومت سے چمن کو گیس کی فراہمی یقینی بنانے کی اپیل ہے۔

(محمد صدیق)

تنخواہوں کی عدم ادائیگی کا مسئلہ

نوشکی میونسپل کمیٹی نوشکی کے 168 ملازمین اور 22 پنشنرز کو گزشتہ دو ماہ سے تنخواہوں اور پینشن کی عدم ادائیگی کی وجہ سے انتہائی معاشی مشکلات سے دوچار ہیں۔ میونسپل کمیٹی کے ملازمین نے انسانی حقوق کمیشن کے توسط سے تنخواہوں اور پینشن کی ادائیگی کا مطالبہ کیا ہے۔

(محمد سعید)

- would be registered against him unless he 'started behaving'. Two other journalists in Badin were also threatened by an employee of the Irrigation Department to stop reporting on water shortages.

- During the same month, unidentified men entered the house of a journalist in Naushero Feroze. They tortured him and his brother and trashed up their house. The journalist believed the attack was related to his media reports that had upset the attackers.

- In August, in Khuzdar district of Balochistan, at a press conference two members of the Hindu community named several people and held them responsible for kidnapping some Hindus for ransom. The group said to be involved in these kidnappings called up the Khuzdar Press Club and threatened journalists for covering the issue.

- In September, a journalist who was covering a demonstration against electricity outages was beaten up along with the protestors by personnel of infrastructure development company Frontier Works Organization (FWO).

- In October, an attack on another journalist was reported from Badin. The journalist working for a local daily newspaper was beaten up along with his 11-year-old son by men apparently acting on the instructions of a local drug mafia. He was severely injured. He was believed to be targeted because he had reported on operations of the narcotics mafia in the city. Journalists staged protests and demanded the arrest of the accused.

- In Dadu, two cases of attacks against journalists were reported in October. A Union Council (UC) secretary and an accomplice attacked journalist Ghulam Rasool who worked for two local newspapers, in Koukar area because he had reported on increasing pollution and garbage in the city. They warned him not to cover the issue in the future.

- On October 13, a journalist, Younas Solangi, who worked for Ibrat newspaper, was beaten up by a police officer in Dadu for covering a story on land occupation by land mafia. The story had mentioned the alleged involvement of the police officer who then beat up and threatened the journalist.

- In November, in Naushero Feroze district, a journalist was threatened on the phone by an officer at the Tehsil municipal office (TMO) on account of his work. The journalist said the officer threatened to have him beaten up for writing a story about corruption at the TMO office. The journalist said he did not register a case because after journalists' protest the officer had tendered an apology.

Some of the trends discerned from looking at threats to and violence against journalists suggested that if any powerful actor at the local level became upset with a journalist's report it became a personal feud against the journalist where the authorities or the constitutional protection for the freedom of expression did not help the journalist in question. The parties that took offence at the reporting generally did not have recourse to libel laws or any civil law remedy or lodged a complaint with the journalist's media organisation. They did not ask the media organisation to publicise their version. They usually proceeded to threaten the journalist in question or beat him up.

—Correspondent

Perilous times for journalists

For a number of years now Pakistan has been among the most dangerous countries for journalists. In the 48 critical districts selected for closer monitoring of human rights, threats and attacks against journalists on account of their work repeatedly came to light.

Jan-Nov 2014 Threats/attacks against journalists/HRDs in 48 districts

Region	Number of attacks/threats	Region	Number of attacks/threats
Balochistan	3	Fata	1
Khyber Pakhtunkhwa	1	Interior Sindh	11
Gilgit Baltistan	3	South Punjab	1
Total			20

The cases were reported from all parts of the country. Some of the monitored violations included the following.

- In January, in Dadu district of Sindh, reporting of a case of human rights violations in a local newspaper led to a land owner threatening and attacking a journalist and injuring him. In Naushero Feroze, another journalist was threatened by a police station house officer (SHO) for his reporting.

- In February, a journalist in Mehrabpur city in Naushero Feroze district of Sindh was threatened after submitted a report against land mafia. The threats were made through a text message on his cell phone. A few days later several men beat up the journalist, injuring him. Local journalists staged a demonstration to protest the attack and police inaction and called for the arrest of the culprits.

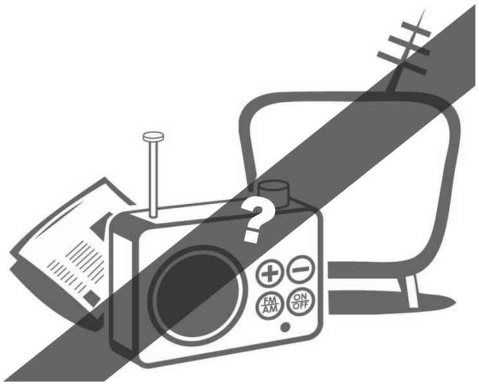

- In March, in Mansehra district of Khyber Pakhtunkhwa a senior journalist who had spoken out against the murder of another local journalist was detained, beaten up and booked in a narcotics possession case by the police.

- In April, the outhouse of a local journalist in Khyber Agency in FATA was destroyed by explosives planted by an extremist militant group.

- In May, a journalist in Gilgit Baltistan had gone to Ghizar district to cover a local traditional event when some lady health workers shared with him the inconvenience they faced at the hands of government officials in getting their documents verified. When the journalist went to complain on their behalf the government officials at the Health Department called the police who beat him up.

- In June, the police in Badin registered an allegedly false case against a senior journalist after he had spoken against a local land mafia group. The police reportedly threatened the man that more cases

Against Torture to take meaningful steps to ensure that all the rights provided under CAT are made enforceable domestically and that the laws and practices in the country are changed accordingly.

In line with the provisions of CAT, Pakistan is under an obligation to ensure that all complaints of torture are investigated in a transparent and independent manner and are the probes are more than mere departmental inquiries. Effective checks and oversight to prevent abuse of the coercive force that the state places at the disposal of its agents are still lacking. Access to a fair and enforceable right of compensation to all victims of torture in Pakistan is also an obligation that needs to be honoured.

— ***Correspondent***

Open season on polio vaccinators

If robbing Pakistan's children of education was not bad enough, they are being deprived of life-saving polio vaccination amid targeted attacks on the vaccinators. This latest assault on children's future has dire consequences for Pakistan's international standing too as it is among a handful of countries where polio virus remains a threat to health.

During the monitoring and documentation of human rights violations and excesses in 48 critical districts, several cases of attacks on polio workers and their security escorts were reported. In January, a polio vaccination team comprising two women was shot at by two unidentified armed men in Shahi Tump area of Turbat in Kech district of Balochistan. The vaccinators remained unhurt. Two suspects were later arrested and a case lodged.

In February, a targeted attack on a team of polio vaccinators was reported from Dera Ismail Khan in Khyber Pakhtunkhwa. The vaccinators were administering polio drops to children when armed men opened fire, killing their police guard.

In March, two attacks were carried out against polio vaccinators, in Dera Ismail Khan and Peshawar. In both incidents, the polio workers remained safe. However, two policemen escorting them were killed and one injured.

An improvised explosive device in Khyber Agency targeted a polio team in an attack. When a security forces team arrived to take the injured to hospital, another roadside bomb exploded; one child and around a dozen security forces personnel providing security to the polio team were reported to have been killed.

In April, two policemen guarding a polio vaccination team in Dera Ismail Khan escaped unhurt when they were shot at by unidentified assailants.

On September 10, in Mamond area of Bajaur Agency a security escort guarding a polio vaccination team was targeted by unidentified assailants. While the polio team was inside a house administering polio drops to children. Unidentified persons fired on two Levies personnel who stood guard outside the house. Both died at the scene.

In Bajaur Agency, on October 22, an improvised explosive device (IED) planted by unidentified militants in Mamond tehsil exploded when a vehicle of the Levies paramilitary personnel passed by. The vehicle was transporting security personnel and polio vaccinators. Three persons were injured in the explosion.

On November 26, four polio workers were shot dead by masked men in Quetta. The polio vaccinators' team was on its way to an assigned union council on the outskirts of Quetta after collecting polio vaccines from Killi Ahmedzai area when armed men on motorbikes intercepted their vehicle on Link Road on Eastern Bypass. The masked men shot a woman in the front seat and then opened indiscriminate firing on the others in the vehicle. After the attack the perpetrators managed to flee. Militant group Jundullah claimed responsibility. Police claimed the vaccination team had set off without waiting for their security protocol to accompany them. The four polio workers who died included three women; three persons were injured.

Given this context it was no surprise that in 2014 Pakistan beat its own record set some years ago of the highest number of polio cases reported in a year. For Pakistan the failure to confront the propaganda against polio vaccine is as pressing as ensuring security of polio vaccinators. In the longer term, however, rather than assigning security escorts to countless vaccinators, more imaginative ways need to be found to prevent the attacks and to ensure that no child remains unprotected against the polio virus.

— ***Correspondent***

Torture after CAT ratification

Torture is widespread in Pakistan, with police and security agencies being the most frequent offenders. Resort to torture in order to extract confessions from suspects and to intimidate individuals in custody or otherwise has been routinely reported from across the country.

Pakistan's ratification of the Convention Against Torture (CAT) in 2010, had renewed hope that the law enforcement and security agencies would strive to bring their actions in conformity with the obligations assumed under CAT and aspire for a higher standard of action by their personnel. The continued reports of violations of citizens' rights at the hands of agents of the state demonstrate that the hope is yet to be realised.

According to HRCP's monitoring of 48 selected districts across six regions of Pakistan, 161 cases of torture were reported in the first 11 months of 2014. The majority of the cases involved torture by police during reported attempts to arrest a suspect or during custody of suspects. In efforts to apprehend suspects, apparently excessive use of force and beating of the suspects and mistreatment of their relatives was reported. Often, citizens staging protests to press for various demands were beaten up to break up their protests. Reports also indicated lack of appropriate medical treatment for victims of torture.

In February, in district Dadu of Sindh a young rickshaw driver was tortured by policemen while he drove children to school in the morning. The police had asked him to stop the vehicle for checking but he drove on as the children were getting late for school. The police chased the rickshaw, forced him to stop, dragged him out of the vehicle and beat him up with batons in front of the children.

It seemed that cases of police torture went unreported and uninvestigated until they were highlighted by the media. Cases were often not probed even after media attention. Many victims reported that they had little expectation of finding justice because complaints against police torture were reported to the police and investigated by them.

Jan-Nov 2014: reported cases of torture in 48 districts

Gilgit Baltistan	Balochistan	Interior Sindh	South Punjab	Khyber Pakhtunkhwa	FATA	Total
31	19	84	5	17	5	161

The figures quoted in the table also include cases of torture by security agencies after enforced disappearance of individuals. Such cases were mostly reported from Balochistan and Interior Sindh.

The police are also known to use their authority in settling scores and in personal vendettas or to exact revenge for perceived disrespect. In July 2014 in Ghizar district of Gilgit Baltistan, a security guard stopped and asked two youth on a motorbike why they had been roaming on the same road for a long time at night. One of the young men, who was the son of a police station house officer (SHO), complained to his father about the guard. A police patrol vehicle was sent to apprehend the guard, who was brought to the police station and tortured by the SHO and other police personnel. Police also filed a case against him.

Citizens who attempted to report crimes to the police were also tortured on occasion. The impact of that on victims of crimes wishing to lodge cases with the police can be easily gauged. Police also have an incentive in making reporting of crime difficult because fewer cases registered at a police station enables them to portray that security in the area under their control is good.

Civil society organisations have been calling upon Pakistan since the 2010 ratification of the Convention

322 persons were killed, 227 of them women. Table 1 details the number of 'honor' crimes reported from the districts in six regions of Pakistan in the first 11 months of 2014.

Table 1 (Jan-Nov 2014): 'Honor' crimes in 48 districts across Pakistan

Region	Gilgit-Baltistan	Khyber Pakhtunkhwa	FATA	South Punjab	Interior Sindh	Balochistan	Total
Number of 'honour' crimes	70	92	10	75	81	11	339

Table 2 shows casualties resulting from 'honour' crimes in the first 11 months of 2014. It is evident from these figures that women bore the brunt of the 'punishment'.

Table 2 (Jan-Nov 2014): Casualties in 'honor' crimes in 48 districts

Women killed	Women injured	Men killed	Men injured	Total
227	50	95	20	392

It is often difficult to distinguish whether the crime committed was in fact due to any perceived slight to the family's name or was a tool to avoid giving a share of property to women. Since crimes in the name of honour are still treated with more leniency than other instances of murder and killers are regularly released due to the victim's family's support for the perpetrator/s, many resort to using this path with a view to escape punishment.

The gun culture prevalent in Pakistan, especially in the northern regions of the country, further exacerbates the problem. Easy access to firearms allows for serious crimes in the guise of grave and sudden provocation. The vast majority of the 'honour' crimes counted in the two tables above involved the use of firearms, including Kalashnikovs, especially in Khyber Pakhtunkhwa, while some cases reported from Sindh and South Punjab also involved the use of axes or sickles.

Weak prosecution and impunity for perpetrators of honor crimes are some of the main reasons for the continued pervasiveness of crime in the name of honour. Journalists and human rights defenders are threatened for reporting these cases because the reports are deemed to be publicizing a private matter and bringing shame to the family. It is not uncommon for such matters to be determined in jirgas (council of local elders). These jirgas almost never have women's representation and the patriarchal mindset inherent in the crime is repeated through the jirga decisions. The amendment made to statute books in 2004 would not automatically address these issues. It would require a conscious effort by the authorities and the civil society to ensure that the law is enforced, its impact in protecting citizens measured and further changes made, if necessary, to prevent murders in the name of honour.

–Correspondent

'Honour' killing & euphemisms for murder

In the so-called honour killings, the victim and the perpetrator are usually related and the act of killing follows the perpetrators' belief that the victim had brought shame or dishonor upon the family or community, often for reasons such as refusing to agree to an arranged marriage or choosing her spouse without the family's blessing.

Violence committed in the name of honour is pervasive in Pakistan and no region is immune from it. It was an acknowledgement of the pervasive nature of this crime that in 2004, through the Criminal Law (Amendment) Act the Pakistan Penal Code (PPC) and the Criminal Procedure Code (CrPC) were amended, defining 'honour' killings as murder with penal punishments.

The change in the law followed the murder of thousands of girls and women and a long struggle by civil society, which demanded laws to protect women and girls, to criminalization of all murders in the name of 'honour'; and punishment for the perpetrators and facilitators of these crimes.

In 2013, HRCP decided to more closely monitor and document human rights violations and denial of rights by organised actors in over four dozen districts across six regions of Pakistan. These included the so-called honour crimes because of the social norms and the implicit support from within the community that furnished impunity. Inherent biases extend to the police and courts, making holding the perpetrators to account difficult.

Although the 2004 amendment was hailed as monumental by the authorities, it has not made a lot of change on the ground. Hundreds of women continue to pay with their lives for their families' notions of honour.
Many of the cases of 'honor' crime have almost identical facts, with women killed mostly by fathers, brothers and husbands. In most of the instances, a case is either not filed or the police are not enthusiastic in apprehending the culprit and in investigating the crime.

In Nowshera district in Khyber Pukhtunkhwa, a woman who wanted to marry her cousin was injured and her cousin killed when their family members opened fire after seeing them together. The girl's father refused to register a case, stating that his daughter deserved that fate on account of her behaviour.

Sometimes the perpetrators have tried to put forward a defence of grave and sudden provocation as a mitigating circumstance for lesser sentence. However, in many cases the murder is just too distinctly premeditated to be categorized as grave and sudden provocation. In September 2014 in Upper Dir, in Khyber Pakhtunkhwa, a man killed his wife after his mother alleged that the victim was having affair with her cousin. The perpetrator was in Saudi Arabia at the time when the accusation was made. He returned to Pakistan and shot and killed his wife's cousin, but the wife managed to escape. A month later, he discovered the whereabouts of his wife and shot and killed her. The killer roaming free for a month after committing a murder, despite public pronouncements that he would kill his wife highlighted not just the support from society but also the biases among those tasked with catching criminals.

There were some cases that particularly stood out for their barbarity. In June 2014 in Buner, Khyber Pakhtunkhwa, a man in Pulwani village shot and killed his wife, her parents, sister and a sister-in law. The perpetrator then proceeded to burn the house down with the bodies inside. The family's crime was that the perpetrator's wife had refused to live with him and had returned to her parents' house. The perpetrator believed his wife was having an affair and that she had left him for another man.

In 48 selected districts of Pakistan, monitored more closely due to the critical human rights situation there, a total of 339 cases of 'honor' crimes were reported in the first 11 months of 2014. In such crimes,

When defending rights is a ground for murder

On May 7, 2014, two armed men walked into the office of Rashid Rehman Advocate, coordinator of the Human Rights Commission of Pakistan's special task force in Multan. They shot him five times. Rashid died on the way to the hospital.

The chain of events that culminated in his death might have been set in motion a month earlier, when three men including prosecution lawyers threatened Rashid, inside a courtroom and in presence of the judge, that unless he stopped representing a blasphemy accused "he would not exist" by the next date of hearing.

Some might say the sequence began even earlier, when Rashid dared to represent the blasphemy accused, Junaid Hafeez, who had been unable to find a lawyer to defend him for over a year. Or earlier still, when Rashid came to the defence of Sherry Rehman when she found a case registered against her alleging that her attempt at reforming Pakistan's blasphemy law itself amounted to blasphemy. Or when he took up the case of Afsheen Musarrat, a young woman murdered by her family for daring to question their choice of a spouse for her. Rashid was also one of Mukhtaran Mai's lawyers and refused to stop representing her when she was under severe pressure to drop the case against men of the powerful Mastoi tribe, who Mai had accused of gang rape.

When Human Rights Commission of Pakistan (HRCP) decided to look more closely at human rights violations by organised actors in nearly four dozen districts across six regions of the country in 2013, Rashid was selected as the coordinator for the South Punjab region. Something in his constitution revolted against denial of human rights to people. He knew what a dangerous calling being a human rights defender had become in Pakistan. A number of Rashid's colleagues at HRCP had been killed after the year 2010 for their human rights work.

There was Naeem Sabir, HRCP Coordinator for Khuzdar, in Balochistan, who was shot and killed on March 1, 2011 by armed men riding a motorcycle at a book shop he ran to make a living. The only offence he had ever caused anyone was through his comprehensive reporting of violations of human rights in Khuzdar.

Siddique Eido, HRCP Coordinator for Pasni, Balochistan, was abducted by men in security forces uniform in December 2010 in the presence of many witnesses. His tortured body was found from Ormara area in April 2011. The uniforms of his abductors and the vehicles they had used gave credence to the

belief that state agents were involved. Siddique was abducted in the presence of several policemen, yet no action was taken to identify or prosecute his abductors and killers. Siddique had worked to highlight incidents of enforced disappearance and other human rights violations in the region and his own disappearance had also been challenged in the Supreme Court.

On December 8, 2011, Zarteef Afridi, HRCP coordinator in Khyber Agency, FATA, was assassinated by armed motorcyclists. Zarteef had been receiving threats for his tireless work to promote human rights, tolerance and peace in a region raked by conflict and violence.

On February 8, 2013, Malik Jrar Advocate, HRCP Council member and a former vice-chairperson for its Khyber Pakhtunkhwa chapter, was assassinated in Peshawar when he was going to drop his children off at school. Jrar's sectarian identity and his work to protect human rights were believed to be the reasons for his assassination.

The growing threats to rights defenders in Pakistan in the last few years have not happened in isolation. The biggest reason has been a failure of the authorities to provide a safe working environment to rights defenders. The state has to answer more directly for the assassination of some of the human rights defenders associated with HRCP, and with the larger civil society. However, it shoulders the entire blame for the killers enjoying impunity.

In Rashid's case, the inability to prosecute or even question the persons who had extended the threats and a refusal to provide security to him against a very specific threat laid bare the level of state's concern for the safety of rights defenders.

More broadly, a persistent failure to bring the killers of human rights defenders to justice or to make that a priority has facilitated impunity. The killings of human rights defenders have generally not even attracted a condemnation from official quarters, much less compensation for their families and pursuit of the killers. In these circumstances, many people have, on account of lack of effective action, counted the authorities as being part of the problem rather than part of the solution. This context can change only with a marked departure from the understanding of human rights defenders' role in and contribution to society and a realisation of the state's obligation to provide a conducive environment for their work.

occurred due to starvation but on account of a persistent failure to address factors such as food insecurity and malnourishment, lack of safe water and of hygiene and absence of female education and family planning. These had been aggravated by poverty, child marriages, long distances restricting access to emergency maternity and newborn health services, ineffective primary healthcare structure and an environment of general resignation to a cruel fate. The people thought that the government had not helped them sufficiently and in a timely manner and that middle men had been made responsible for providing relief who had prioritised profit over obligation.

In a media briefing at the conclusion of the mission, the HRCP team stated that certain positive changes had been noticed including recent improvement in availability of health services, women being able to leave their homes for work, certain decline in caste distinction in several areas and communal harmony surviving despite provocation from extremists.

The Commission called for a holistic development strategy addressing water, roads, health and female education; and social engineering in public-private partnership where the need for consultation and inclusive decision-making was clearly understood and adhered to.

It's not just the drought that kills Thar's children

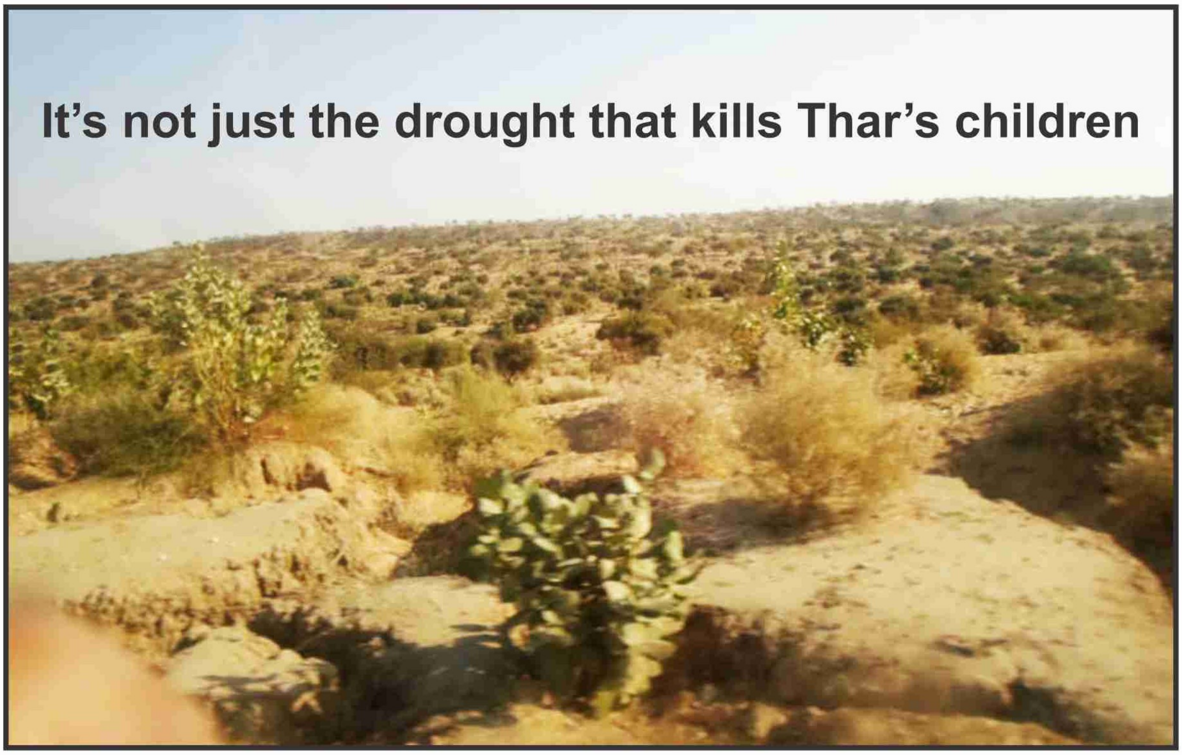

A Human Rights Commission of Pakistan (HRCP) mission visited Mithi, in Tharparkar district of the Sindh province on December 26 and 27, 2014 and organised a public hearing and a workshop there in order to better understand the many problems confronting the residents of Thar, including the death of a large number of children amid a drought. Women and men from various parts of Thar and civil society activists and development experts attended the public hearing and the workshop.

It was concluded in the deliberations that one of the basic issues was that the economy and resources of Thar were no longer able to sustain the rise in population. Farming and livestock breeding had become largely unsustainable. The pastoral economy had turned into a cash economy; but people had no cash. The exploitation of Thar's abundant natural resources had not created employment opportunities for the residents of Thar and the large number of unskilled workers needed immediate attention to engage them productively. A nexus between development and labour had not been developed and there was concern over aid dependency setting in.

The HRCP team learned that the high mortality among children was a long standing chronic issue which had not

HRCP Consultation

Women: Employment and Wages

HRCP organised a consultation on ‘women’s wages and employment’ in Karachi on December 29. The participants in the deliberations said that the government’s failure to recognise home-based workers (HBW) and domestic workers as labour had denied them the cover of social security protection. They noted that the informal sector contributed 35 percent to the national economy and employed millions of workers, especially women. It was highlighted as a matter of grave concern that these workers could neither unionise nor claim minimum wage or other entitlements available to workers under Pakistan’s law and the country’s international human rights commitments.

Presentations at the consultation focused on gender-based discrimination and the wage gap between men and women engaged in identical or substantially similar work; HBWs and domestic workers; occupational and other health concerns for working women and issues regarding maternity leave; and the importance of collective bargaining for women workers.

The participants included a large number of women workers, students, social activists, female doctors and representatives of civil society organisations.

The event concluded with a call for urgently promoting greater awareness of working women’s rights, ensuring equal pay for equal work and labour rights for all workers and recognition of women’s contribution to society and the national economy.

Human Rights Commission of Pakistan

جہد حق

Monthly JEHD-E-HAQ

Monthly JEHD-E-HAQ - January 2015 - Registered No. CPL-13

جلد نمبر 22...... شمارہ نمبر 01 ...... جنوری2015..... قیمت 5روپے

A Tribute to Five Great Human Rights Defenders

Naeem Sabir (1977-2011)

HRCP coordinator for Khuzdar who was killed by armed motorcyclists. He had earlier been threatened to stop his reporting of human rights violations.

Siddique Eido (1979-2011)

HRCP Coordinator for Pasni, Balochistan, was abducted by men in security forces uniform in December 2010 and his tortured body found from Ormara in April 2011. The abductors' uniforms and the vehicles they used indicated involvement of agents of the state. Siddique had worked to highlight enforced disappearance and other human rights violations in the region.

Malik Jrar Advocate (1965-2013)

HRCP Council member and a former vice-chairperson for its Khyber Pakhtunkhwa chapter, was assassinated in Peshawar on February 8, 2013, as he drove his children to school. His sectarian identity and his determination to defend human rights had apparently offended those who ordered his killing.

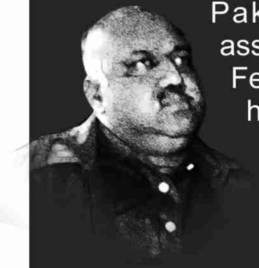

Zarteef Afridi (1962-2011)

On December 8, 2011, HRCP coordinator in Khyber Agency, FATA, was assassinated by armed men on a motorcycle. He had been receiving threats for his vigorous work to promote human rights, tolerance and peace in a region beset by conflict and denial of rights to women.

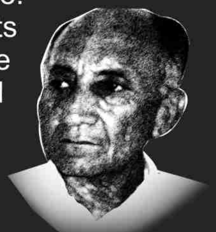

Rashid Rehman (1958-2014)

A fearless human rights lawyer and HRCP Multan Task Force coordinator. In early April 2014, three men including prosecution lawyers threatened Rashid inside a courtroom in presence of the judge and demanded that he stopped representing a blasphemy accused or he would be killed. The threat did not deter Rashid. The authorities were alerted, but no action was taken and more threats followed. On the night of May 7, two men walked into Rashid's office and shot him five times, causing his death.

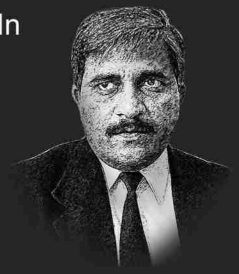

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

"ایوان جمہور" 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور

فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582

ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org

پرنٹر: مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

HRCP